ہفت روزہ
الفضل
انٹرنیشنل
مدیر اعلیٰ :— نصیر احمد قمر
جلد ۵ جمعۃ المبارک ۳۱/ جولائی ۱۹۹۸ء شمارہ ۳۱، ۳۲
۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ ہجری ☆ ۳۱/ وفا ۱۳۷۷ ہجری شمسی

﴿ارشادات عالیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام﴾

میرے خدا نے بہت سے آسمانی نشان میری تائید میں دکھلائے مگر قوم نے ان سے بھی کچھ فائدہ نہ اٹھایا

"جب سے خدا نے مجھے مسیح موعود اور مہدی معہود کا خطاب دیا ہے میری نسبت جوش اور غضب ان لوگوں کا جو اپنے تئیں مسلمان قرار دیتے ہیں اور مجھے کافر کہتے ہیں انتہا تک پہنچ گیا ہے۔ پہلے میں نے صاف صاف ادلہ کتاب اللہ اور حدیث سے اپنے دعوے کو ثابت کیا مگر قوم نے دانستہ ان دلائل سے منہ پھیر لیا اور پھر میرے خدا نے بہت سے آسمانی نشان میری تائید میں دکھلائے مگر قوم نے ان سے بھی کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور پھر ان میں سے کئی لوگ مباہلہ کے لئے اٹھے اور بعض نے علاوہ مباہلہ کے الہام کا دعویٰ کر کے یہ پیشگوئی کی کہ فلاں سال یا کچھ مدت تک ان کی زندگی میں ہی یہ عاجز ہلاک ہو جائے گا مگر آخر کار وہ میری زندگی میں خود ہلاک ہو گئے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ قوم کی پھر بھی آنکھ نہ کھلی اور انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو ہر ایک پہلو سے وہ مغلوب نہ ہوتے۔ قرآن شریف ان کو جھوٹا ٹھہراتا ہے۔ معراج کی حدیث اور حدیث امامکم منکم ان کو جھوٹا ٹھہراتی ہے۔ مباہلوں کا انجام ان کو جھوٹا ٹھہراتا ہے۔ پھر ان کے ہاتھ میں کیا ہے جو خدا کے اس فرستادہ کی دلیری سے تکذیب کر رہے ہیں۔...... کیا اب تک انہوں نے آیت کریمہ یصبکم بعض الذی یعدکم کا مزہ نہیں چکھا۔ کہاں ہے مولوی غلام دستگیر جس نے اپنی کتاب فیض رحمانی میں میری ہلاکت کے لئے بددعا کی تھی اور مجھے مقابل پر رکھ کر جھوٹے کی موت چاہی تھی؟ کہاں ہے مولوی چراغ دین جموں والا...... کہاں ہے فقیر مرزا؟...... کہاں ہے سعد اللہ لودہانوی؟...... کہاں ہے مولوی محی الدین لکھوکے والا؟...... کہاں ہے بابو الٰہی بخش صاحب مؤلف "عصائے موسیٰ" اکاؤنٹنٹ لاہور؟...... ان تمام لوگوں نے چاہا کہ میں اس آیت کا مصداق ہو جاؤں کہ ان یك كَاذِباً فَعَلَيهِ كِذبُه۔ لیکن وہ آپ ہی اس آیت ممدوحہ کا مصداق ہو کر ہلاک ہو گئے اور خدا نے ان کو ہلاک کر کے مجھ کو اس آیت کا مصداق بنا دیا وان یك صادقاً یصبكم بعض الذی یعدكم۔ (المومن: ۲۹) کیا ان تمام دلائل سے خدا تعالیٰ کی حجت پوری نہیں ہوئی۔ مگر ضرور تھا کہ مخالف لوگ انکار سے پیش آتے کیونکہ پہلے سے یعنی آج سے چھبیس برس پہلے براہین احمدیہ میں خدا کی یہ پیشگوئی موجود ہے دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ سو ہم ایمان رکھتے ہیں کہ خدا اپنے حملوں کو نہیں روکے گا اور نہ بس کرے گا جب تک کہ دنیا پر میری سچائی ظاہر نہ ہو جائے"۔

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲ تا ۴)

خدا ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخل سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں

(خلاصہ خطبہ جمعہ ۱۷/ جولائی ۱۹۹۸ء)

لندن (۱۷/ جولائی): سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آج خطبہ جمعہ مسجد فضل لندن میں ارشاد فرمایا۔ تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کے بعد حضور ایدہ اللہ نے سورۃ النساء کی آیات ۳۸ تا ۴۰ ﴿الذین یبخلونَ و یامرونَ الناس بالبُخل......... الخ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ ان آیات کی تلاوت کا مقصد یہ ہے کہ اس سے پہلے جو میں نے مالی قربانی کے تعلق میں خطبات دئے تھے ان میں جن گروہوں کا ذکر تھا اس آیت میں اس کے علاوہ ایک گروہ کا ذکر ہے۔ خدا کی راہ میں مالی قربانی سے ڈرنے والوں کی جتنی قسمیں پہلے بیان ہوئی تھیں یہ قسمیں ان کے علاوہ ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور چھپاتے ہیں اس کو جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا کہ بظاہر یہ لوگ مومن ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں

باقی صفحہ نمبر ۲۰ پر ملاحظہ فرمائیں

مختصرات

مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ انٹرنیشنل پر روزانہ حضرت امیر المومنین۔ خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ "ملاقات" کا پروگرام نشر ہوتا ہے۔ یہ پروگرام احباب کی دینی اور روحانی تعلیم و تربیت کے لئے بے حد مفید اور اہم ہے۔ مختصرات کے اس کالم میں ہم ہفتہ بھر کے پروگرام "ملاقات" کی مختصر ڈائری پیش کرتے ہیں تاکہ اگر کوئی دوست اصل پروگرام سن یا دیکھ نہیں سکے تو وہ مطلوبہ پروگرام کا حوالہ دے کر اپنے ملک کے شعبہ سمعی و بصری سے یا شعبہ آڈیو ویڈیو (یو۔کے۔) سے اس کی ویڈیو حاصل کر سکیں۔ اس ہفتہ کے پروگرام ملاقات کا مختصر خلاصہ اپنی ذمہ داری پر ہدیہ قارئین ہے۔

ہفتہ ۱۱/ جولائی ۱۹۹۸ء :

آج حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ بچوں کی کلاس کا پروگرام ریکارڈ اور براڈکاسٹ کیا گیا۔ تلاوت و نظم کے بعد جنگ احد کے بارے میں انگریزی میں لکھی ہوئی ایک تقریر پڑھ کر سنائی گئی اور اس کے بعد دو نظمیں پڑھی گئیں۔

اتوار، ۱۲/ جولائی ۱۹۹۸ء :

آج حضور انور کے ساتھ انگریزی بولنے والے زائرین کی ملاقات اور سوال و جواب کا دن تھا۔ اہم سوالات مع مختصر جوابات اپنی ذمہ داری پر ہدیہ قارئین ہیں :

☆......ایک صاحب نے کہا کہ میں کیتھولک چرچ سے متعلق عیسائی ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمام مذاہب کے پیروکار سچائی کے ساتھ حقیقی طور پر ایک دوسرے کی عزت و احترام کرتے ہیں۔ کیا باہمی ادب اور احترام تمام مذاہب میں Reciprocal نہیں ہونا چاہئے؟۔ حضور انور نے فرمایا کہ اسلام کے خدا کے تصور کے مطابق سب مذاہب اسی سے پھوٹے ہیں۔ فطرت کے قوانین میں کوئی تضاد نہیں۔ قرآن انسان کو بار بار توحید باری تعالیٰ کا سبق سکھاتا ہے اور یاد دلاتا ہے کہ اگر کئی خدا ہوتے تو ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار رہتے اور اپنا اپنا (پیدا کردہ) حصہ لے کر بھاگ جاتے۔ انسانی فطرت سب کی ایک ہے۔ سائنس دانوں کی موجودہ Theory of Unified Field بھی اس بات پر گواہ ہے کہ کائنات ایک خدا کی تخلیق ہے۔ حضور نے قدرے تفصیل سے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تضاد والی تعلیمات نہیں دے سکتا۔ اگر تعلیمات جھوٹی ہیں تو وہ خدا کی طرف سے نہیں ہیں اور اگر وہ تعلیمات بدل گئی ہیں تو وہ بھی خدا کی طرف سے نہیں کیونکہ خدا نہیں بدلتا۔ خدا تعالیٰ نے ازل سے بنیادی تعلیمات الہام اور وحی کے ذریعے سے اپنے انبیاء کو پہنچائیں۔ اس لئے تمام مذاہب یہودی، عیسائی اور ہندو مذہب سب اپنے Original Source کو تلاش کریں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ خدا کی توحید اور انسان کے اتحاد کا راز پالیں گے۔

☆......انسان پر اس کے مذہب اور معاشرتی Background کا کیا اثر ہے؟ حضور انور نے فرمایا خدا نے انسان کو اپنے اوصاف کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ پھر جبکہ ہر بچہ معصوم پیدا ہوتا ہے تو پھر بڑے ہو کر بدل کیوں جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔ یعنی والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اس لئے تمام تر وفا کے ساتھ انسان کو اپنی فطرت اور باطن کا گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ خدا کے تمام انبیاء وفادار ہوتے ہیں وہ خدا کی خاطر سب کچھ قربان کرتے ہیں۔ اس لئے وفا یا خدا سے آتی ہے یا انسان کے باطن سے۔

☆......سیرالیون میں لمبے عرصہ سے اندرونی لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ حضور کا انہیں کیا مشورہ ہے؟ حضور انور نے فرمایا: میں نے سیرالیون کے مشرق مغرب شمال اور جنوب میں سفر کیا ہے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ سیاست اور مذہب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ان میں مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے اگر آپ امن برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اب بھی یہی پیغام ہے کہ اسلام، عیسائیت اور Paganism وغیرہ کو اپنے اپنے دائرے میں کام کرنے دیں اور ہر مذہب اپنی سوسائٹی کے فائدے کے لئے کام کرے۔ ایک دوسرے کی آزادی میں مداخلت نہ کریں۔ اور اگر کوئی مذہب فساد برپا کرنا چاہتا ہے تو پھر سٹیٹ کو دخل اندازی کا حق ہے کیونکہ وہ حکومت کا قانون ہے۔ مذہبی معاملات مثلاً عبادت وغیرہ خدا پر چھوڑ دئے جائیں۔ حضور انور نے فرمایا مجھے امید ہے کہ اب جبکہ سیرالیون میں امن ہے تو ان باتوں کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

☆......اسلام میں خدا اور روح القدس کا کیا تصور ہے۔ شیطان ایک الگ ہستی ہے یا انسان کے اندر ہے؟ حضور نے فرمایا ہم خدا تعالیٰ کی

باقی صفحہ نمبر ۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں

اداریہ

نور اور راستی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر

انبیاء علیہم السلام خدا کا نور ہوتے ہیں۔ وہ اس وقت مبعوث ہوتے ہیں جب اہل دنیا خدا سے دوری کے نتیجہ میں قسما قسم کی ظلمتوں اور طرح طرح کی تاریکیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کے ظہور سے نور کا ایک سوتا پھوٹتا ہے۔ ان کے پیچھے چلنے والے ان گڑھوں اور خندقوں سے بچائے جاتے ہیں جو شیطان نے تاریکی میں چلنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں۔ ان کے اندھیرے زائل ہونے لگتے ہیں، ان کی ظلمتیں کافور ہوتی جاتی ہیں۔ ان کے در و دیوار پر الٰہی انوار برسنے لگتے ہیں، ان کے رستے روشن اور کشادہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہ نورِ الہام سے فیضیاب ہوتے ہیں اور ان کی عقلوں کو نئی جلا نصیب ہوتی ہے۔ ان کا معاشرہ بدیوں سے منزہ ہو کر نیکیوں سے آراستہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ وہ ایسے ہو جاتے ہیں کہ نُورُهُم يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِم وَ بِاَيمَانِهِم کا ارشاد ربانی ان پر اطلاق پاتا ہے اور وہ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْلَنَا کی دعائیں کرتے ہوئے نورانی راستوں پر آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ نبی کے مقدس وجود کے ذریعہ نور کا جو ایک سوتا پھوٹا تھا وہ رفتہ رفتہ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بن جاتا ہے جس کی چمکار سے شپرہ چشم روشنی سے بغض رکھنے والے تاریکی پسندوں کی آنکھیں سفید ہو جاتی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام حق کے منادی بن کر آتے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ ہر طرف باطل کا دور دورہ ہوتا ہے وہ سچائی اور راستی کا مینار بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کی آمد سے جھوٹ اور ظلم اور تعدی کے خلاف ایک عظیم جہاد کا آغاز ہوتا ہے۔ باطل قوتیں حق و صداقت کی اس تحریک کو مٹا ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہیں مگر ہر حملہ میں پسپائی ان کا مقدر بنتی ہے۔ اور ان کی ہر یلغار کے بعد حق و صداقت کی موجیں اور بھی بلند ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ تاریخ انبیاء ہے۔ ازلی ابدی، دائمی اور اٹل حقیقت۔ یہ سنت اللہ ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ يمحو الله الباطل و يحق الحق بكلماته۔ اللہ باطل کو مٹاتا چلا جاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات کے ساتھ حق ثابت کر دکھاتا ہے۔

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ عظیم انعام فرمایا ہے کہ اپنے وعدوں کے مطابق حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے نور نبوت سے فیضیاب، آپؐ ہی کے ایک غلام کامل حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز فرما کر ہمارے لئے ہر قسم کے شکوک و شبہات کی تاریکی سے نجات کی راہیں کھولیں اور آپ کو نصرت کے وعدے دئے جو بڑی شان سے پورے ہوئے اور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

آج سے سو سال قبل ۱۸۹۸ء میں خدائے عزّ و جل نے آپؑ کو بذریعہ وحی جو خبریں دیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ آپ نے فرمایا:

"وَ اَوْحٰى اِلَيَّ رَبِّي وَ وَعَدَنِي اَنَّه سَيَنْصُرُنِي حَتّٰى يَبْلُغَ اَمْرِي مَشَارِقَ الاَرْضِ وَ مَغَارِبِهَا وَ تَتَمَوَّجَ بُحُورُ الْحَقِّ حَتّٰى يُعجِبَ النَّاسَ حِبَابُ غَوَارِبِهَا.

(لجة النور)

یعنی میرے رب نے میری طرف وحی بھیجی اور وعدہ فرمایا کہ وہ مجھے مدد دے گا۔ یہاں تک کہ میرا کلام زمین کے مشارق اور مغارب میں پہنچ جائے گا اور راستی کے دریا موجیں ماریں گے یہاں تک کہ ان کی موجوں کے حباب لوگوں کو تعجب میں ڈالیں گے۔

آج سو سال بعد جس عظمت اور شان کے ساتھ زمین کے مشارق اور مغارب میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کا مبارک کلام پہنچ رہا ہے اور احمدیت کے نور اور راستی کے سمندر ہر طرف موجزن ہیں اس نظارہ کو دیکھ کر لوگ متعجب ہیں۔ معاندین حیران و سرگرداں ہیں کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیونکر ہوا۔ وہ حیرت اور غصے سے اپنے دانت پیستے ہیں مگر ان کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ اور جہاں تک مومنین کا تعلق ہے تو وہ بھی خدا کے ان بے انتہا فضلوں کو دیکھ کر خوشی اور استعجاب کی ایک خاص کیفیت میں ہیں۔ ان کے دل اللہ کی حمد سے معمور اور روحیں اس کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کو دیکھ کر یہی کہتے ہیں هذا ما وعدنا الله و رسوله. و صدق الله ورسوله۔ (یہ وہی تو ہے جس کا اللہ اور رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا) وما زادهم الا ايماناً و تسليماً اور یہ پر کیف نظارے انہیں ایمان اور تسلیم و رضا میں اور بھی بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ ☆☆☆

ہومیو پیتھی یعنی علاج بالمثل

سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تصنیف "ہومیو پیتھی یعنی علاج بالمثل" جلد اول کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔ مکمل طور پر ریوائزڈ، نہایت اہم اور مفید اضافوں کے ساتھ، دیدہ زیب، رنگین کوَر، احباب جماعت کے لئے خصوصی رعایتی قیمت پر جلسہ سالانہ برطانیہ اور جلسہ جرمنی پر دستیاب ہو گی۔ جن افراد نے اس کا دوسرا ایڈیشن خریدا تھا وہ اس کا کوَر یا اصل کتاب بطور ثبوت پیش کر کے اس کے بدلہ میں تازہ ایڈیشن حاصل کر سکتے ہیں۔ ہر گھر کی ضرورت، اس کتاب کی مدد سے آپ روزمرہ امراض کا ہومیو پیتھی علاج خود کر سکتے ہیں۔ اپنوں اور غیروں سب کے لئے بہترین تحفہ۔ خود بھی خریدئے اور دوسروں کو بھی تحریک کیجئے۔ (وکالت اشاعت۔ لندن)

انتخاب از کلام حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

پاک و برتر ہے وہ جھوٹوں کا نہیں ہوتا نصیر
ورنہ اٹھ جائے اماں پھر سچے ہوویں شرمسار
اس قدر نصرت کہاں ہوتی ہے اک کذاب کی
کیا تمہیں کچھ ڈر نہیں ہے کرتے ہو بڑھ بڑھ کے وار
ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار
آفتابِ صبح نکلا اب بھی سوتے ہیں یہ لوگ
دن سے ہیں بیزار اور راتوں سے کرتے ہیں پیار
روشنی سے بُغض اور ظلمت پہ وہ قربان ہیں
ایسے بھی شپّر نہ ہونگے گرچہ تم ڈھونڈو ہزار
سر پہ اک سورج چمکتا ہے مگر آنکھیں ہیں بند
مرتے ہیں بن آب وہ اور در پہ نہرِ خوشگوار
طُرفہ کیفیت ہے اُن لوگوں کی جو منکر ہوئے
یوں تو ہر دم مشغلہ ہے گالیاں لیل و نہار
پر اگر پوچھیں کہ ایسے کاذبوں کا نام لو
جن کی نصرت سالہا سے کر رہا ہو کردگار
مردہ ہو جاتے ہیں اس کا کچھ نہیں دیتے جواب
زرد ہو جاتا ہے منہ جیسے کوئی ہو سوگوار
ان کی قسمت میں نہیں دیں کے لئے کوئی گھڑی
ہو گئے مفتونِ دنیا دیکھ کر اس کا سنگار
جی چرانا راستی سے کیا یہ دیں کا کام ہے
کیا یہی ہے زُہد و تقویٰ کیا یہی راہِ خیار
کیا قسم کھائی ہے یا کچھ پیچ قسمت میں پڑا
روزِ روشن چھوڑ کر ہیں عاشق شبہائے تار
انبیاء کے طور پر حُجّت ہوئی ان پر تمام
ان کے جو حملے ہیں ان میں سب نبی ہیں حصہ دار
میری نسبت جو کہیں کیں سے وہ سب پر آتا ہے
چھوڑ دیں گے کیا وہ سب کو کفر کر کے اختیار
مجھ کو کافر کہہ کے اپنے کفر پر کرتے ہیں مُہر
یہ تو ہے سب شکل ان کی ہم تو ہیں آئینہ دار

(درّثمین)

عصر حاضر میں دہریت کا سر کچلنے اور توحید باری و حقیّت فرقان مجید اور صداقت اسلام کے اثبات کے لئے

سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی

نہایت بلند پایہ علمی و تحقیقی تصنیف

Revelation,Rationality,Knowledge & Truth

خدا تعالیٰ کے فضل سے طبع ہو کر دستیاب ہے۔

انشاء اللہ یہ کتاب اسلام کے حق میں عالمگیر انقلاب پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرنے والی ہے۔
اس کی بکثرت اشاعت میں بھرپور حصہ لیجئے۔ خود بھی خریدئے اور اہل علم دوستوں کو بھی پیش کیجئے۔

سیرت حضرت مسیح موعودؑ

اِکرام ضیف

از قلم: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ

اکرام ضیف یعنی مہمان نوازی ان اخلاق فاضلہ میں سے ہے جو سوسائٹی اور تمدن کے لئے بمنزلہ روح کے ہیں۔ مہمان نوازی سوسائٹی میں احترام اور امن کا جذبہ پیدا کرتی ہے، اس سے عناد اور حسد دور ہوتا ہے اور ایک دوسرے پر اعتماد بڑھتا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے اکرام ضیف کے لئے خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے بلکہ اس کو ایمان کے نتائج اور ثمرات میں سے قرار دیا ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَن کَانَ یُومنُ بِاللّٰہِ وَالیَومِ الآخِرِ فَلیَکرِمْ ضَیفَہ یعنی جو شخص خدا تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک یہ اخلاقی قوت اس میں نشوونما نہیں پاتی۔ اکرام ضیف میں بہت سی باتیں داخل ہیں یا یہ کہو کہ اس کے مختلف اجزاء ہیں۔ اس کے حقوق کی رعایت کرنا، مرحبا کہنا، نرمی کرنا، اظہار بشاشت کرنا، حسب طاقت کھانا وغیرہ کھلانا اور اس کے آرام میں ایثار سے کام لینا اور جب وہ روانہ ہو تو اس کی مشایعت کرنا۔

اکرام ضیف انبیاء علیہم السلام کی سنت میں داخل ہے اور حقیقت میں یہ خلق کامل طور پر ان میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور پھر اس کا کامل ترین نمونہ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آپ کے بروز حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ان کے پاس بغرض حصول ہدایت آتی ہے اور وہ حق پہنچانے کے لئے اپنے دل میں ایک جوش اور تڑپ رکھتے ہیں اور پھر سنت اللہ کے موافق ان کی مخالفت بھی شدید ہوتی ہے مگر ہر حالت میں وہ اپنے مہمانوں کے آرام اور خاطر مدارات میں کبھی فرق نہیں کرتے اور ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے مہمانوں کو آرام ملے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی خصوصیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو خصوصیت سے اس کی طرف توجہ تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت آپ کو وحی الٰہی کے ذریعہ سے آنے والی مخلوق کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا کہ تیرے پاس دور دراز سے لوگ آئیں گے اور ایسا ہی فرمایا لاَ تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلاتَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ غرض یہاں تو پہلے ہی مہمانوں کے بکثرت آنے کی خبر دی گئی تھی اور پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کو وسعت اور دل میں حوصلہ پیدا کر رکھا تھا۔ اور مہمان نوازی کے لئے آپ گویا بنائے گئے تھے۔ اب میں آپ کی زندگی کے واقعات میں انشاء اللہ العزیز دکھاؤں گا کہ آپ نے کس طرح پر مہمان نوازی کا حق ادا کیا اور ایک اسوہ حسنہ اکرام ضیف کا چھوڑا۔

اکرام ضیف کی روح آپؑ میں فطرتاً آئی تھی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے جس خاندان میں پیدا کیا وہ اپنی عزت و وقار کے لحاظ سے ہی ممتاز نہ تھا بلکہ اپنی مہمان نوازی اور جود و سخا کے لئے بھی مشار الیہ تھا۔ اس خاندان کا دستر خوان ہمیشہ وسیع تھا۔ جس عظیم خاتون کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام جیسا بیٹا جننے کا فخر حاصل ہے وہ خاص طور پر مہمان نوازی کے لئے مشہور تھیں۔ قادیان میں پرانے زمانہ کے لوگ ہمیشہ ان کی اس صفت کا اظہار کیا کرتے تھے اور میں نے بلاواسطہ ان سے سنا جنہوں نے اس زمانہ ہی کو نہیں پایا بلکہ اس مائدہ سے حصہ لیا۔ چنانچہ حیات احمد جلد اول کے صفحہ ۱۷۴، ۱۷۵ پر حضرت مائی چراغ بی بی صاحبہ مرحومہ کا ذکر کر چکا ہوں اور ان کی اس اخلاقی خوبی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"مہمان نوازی کے لئے ان کے دل میں نہایت جوش اور سینہ میں وسعت تھی۔ وہ لوگ جنہوں نے ان کی فیاضیاں اور مہمان نوازیاں دیکھی ہیں ان میں سے بعض اس وقت تک زندہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں اگر باہر سے یہ اطلاع ملتی کہ چار آدمیوں کے لئے کھانا مطلوب ہے تو اندر سے جب کھانا جاتا تو آٹھ آدمیوں سے بھی زائد کے لئے بھیجا جاتا اور مہمانوں کے آنے سے انہیں خوشی ہوتی"۔

(حیات احمد جلد اول صفحہ ۱۷۴، ۱۷۵)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شیر مادر کے ساتھ مہمان نوازی کو پیا تھا۔ جب سے آپ نے آنکھ کھولی اس خوبی کو سیکھا۔ اور پھر جب خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے ان کو مسح کیا اور معطر فرمایا تو حالت ہی بدل گئی اور وہ قوتیں جو آپ میں بطور بیج کے تھیں ایک بہت بڑے درخت کی صورت میں نمودار ہوئیں۔

آپ پہلے سے خدا تعالیٰ کی وحی پا کر ان مہمانوں کے استقبال اور اکرام کے لئے تیار تھے جن کے آنے کا خدا نے وعدہ فرمایا تھا۔

قبل بعثت اور بعد بعثت کی مہمان نوازی

آپ کی مہمان نوازی پر کبھی کسی وقت نے کوئی خاص اثر نہیں پیدا کیا۔ جب آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور نہ ہوئے تھے اس وقت بھی بعض لوگ آپ کے پاس آتے تھے۔ ان کی مہمان نوازی میں بھی آپ کا وہی طریق تھا جو ماموریت کے بعد تھا۔ پہلے جب بہت ہی کم اور کبھی کبھار کوئی شخص آتا تھا اس وقت کوئی خاص التفات نہ تھی کہ خرچ کم ہے بعد میں جب سینکڑوں ہزاروں آنے لگے تو کوئی غیر التفاتی نہیں ہوئی کہ بہت آنے لگے ہیں۔

غرض ہر زمانہ میں آپ کی شان مہمان نوازی یکساں پائی جاتی ہے، یعنی کیفیت وہی رہی۔ مہمانوں کی کثرت نے اس میں ترقی کا رنگ پیدا کیا، کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اب میں واقعات کی روشنی میں آپ کے اس خلق عظیم کی تصویر دکھاتا ہوں۔

ایک عجیب واقعہ

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ جب سے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں آنے لگے ہیں ان کو ایک خاص مذاق اور شوق رہا ہے کہ وہ اکثر باتیں حضرت کی نوٹ کر لیا کرتے اور دوستوں کو سنایا کرتے۔

انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اخلاق کا ذکر برادر منشی محمد عبداللہ بوتالوی سے کیا اور منشی محمد عبداللہ صاحب نے مجھے لکھ کر بھیجا جو میں نے ۲۱/اپریل ۱۹۱۸ء کے الحکم میں سیرت المہدی کا ایک ورق کے عنوان سے چھاپ دیا۔ اس میں اکرام ضیف کے عنوان کے نیچے یہ واقعہ درج ہے کہ:

"ایک مرتبہ ایک مہمان نے آکر کہا کہ میرے پاس بستر انہیں ہے۔ حضرت صاحب نے حافظ حامد علی صاحب کو (جو ۱۹۱۸ء میں مختصر سی دوکان قادیان میں کرتے تھے اور حضرت کے پرانے مخلص خادم تھے اور اب فوت ہو چکے ہیں! اللّٰھم ارحمہ) کہا کہ اس کو لحاف دے دو۔ حافظ حامد علی صاحب نے عرض کیا کہ یہ شخص لحاف لے جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس پر حضرت نے فرمایا:

"اگر لحاف لے جائے گا تو اس کا گناہ ہوگا اور اگر بغیر لحاف کے مر گیا تو ہمارا گناہ ہوگا"۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ وہ مہمان بظاہر کوئی ایسا آدمی نہ معلوم ہوتا تھا جو کسی دینی غرض کے لئے آیا ہو بلکہ شکل و صورت سے مشتبہ پایا جاتا تھا مگر آپ نے اس کی مہمان نوازی میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اور اس کی آسائش و آرام کو اپنے آرام پر مقدم کیا۔

مہمان نوازی کے لئے ایثار کلی کی تعلیم ایک کہانی کے رنگ میں

وہی صاحب حضرت مفتی صاحب کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مہمان کثرت سے آ گئے۔ بیوی صاحبہ (حضرت ام المومنین) گھبرائیں۔ (اس زمانہ میں مہمانوں کا کھانا سب اندر تیار ہوتا تھا اور تمام انتظام و انصرام اندر ہوتا تھا اس لئے گھبرا جانا معمولی بات تھی۔ عرفانی) مجھے (مفتی محمد صادق کو) جو مکان حضرت صاحب نے دے رکھا تھا وہ بالکل نزدیک تھا۔ (یہ وہ مکان ہے جہاں آج کل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رہتے ہیں۔ اس وقت یہ مکان نہایت شکستہ حالت میں تھا۔ بعد میں خاکسار عرفانی نے اسے خرید لیا اور خدا نے اسے توفیق دی کہ اس کا 1/3 حصہ حضرت اقدس کے نام ہبہ کر دے۔ خدا تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ آمین۔ پھر وہ سارا مکان حضرت کے قبضہ میں آ گیا۔ عرفانی)۔ میں سنتا رہا۔ حضرت صاحب نے بیوی صاحبہ کو ایک کہانی سنانی شروع کی۔ فرمایا ایک شخص کو جنگل میں رات آ گئی۔ اس نے ایک درخت کے نیچے بسیرا کر دیا۔ اس درخت کے اوپر ایک کبوتر اور کبوتری کا گھونسلہ بنا ہوا تھا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے کہ ہمارے ہاں مہمان آیا ہے۔ اس کی کیا خاطر کریں۔ نر نے کہا کہ سردی ہے بستر اس کے پاس نہیں ہم اپنا آشیانہ گرا دیں اس سے آگ جلا کر یہ رات گزار لے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے سوچا اب اس کے واسطے کھانا نہیں ہے ہم دونوں اپنے آپ کو نیچے گرا دیں تاکہ وہ ہمیں بھی کھا لے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس لطیف پیرایہ میں اکرام ضیف کی تاکید فرمائی حضرت ام المومنین کو اللہ تعالیٰ نے خود ایک وسیع حوصلہ دیا ہے اور وہ مہمانوں کی خدمت و دلداری میں جو حصہ لیتی ہیں اس سے وہ لوگ خوب واقف ہیں جن کی مستورات سالانہ جلسہ پر آتی ہیں۔ شروع شروع میں قادیان میں ضروری اشیاء بھی بڑی دقت سے ملا کرتی تھیں تو مہمانوں کی کثرت بعض اوقات انتظامی دقتیں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ یہ گھبراہٹ بھی انہیں دقتوں کے رنگ میں تھی۔ یہ واقعہ حضرت صاحب کی مہمان نوازی کا ہی بہترین سبق نہیں بلکہ مہمانوں کے لئے وہ اعلیٰ درجہ کی محبت و ایثار جو آپ میں تھا اور جو آپ اپنے گھر والوں کے دل میں پیدا کرنا چاہتے تھے اس کی بھی نظیر ہے پھر آپ کے حسنِ معاشرت پر بھی معاً روشنی ڈالتا ہے کہ کس رفق اور اخلاق کے ساتھ ایسے موقعہ پر کہ انسان گھبرا جاتا ہے اصل مقصد کو زیر نظر رکھتے ہیں۔ (عرفانی)۔

ڈاکٹر عبداللہ صاحب نو مسلم کا واقعہ

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے نیاز حاصل کرنے کے لئے لاہور سے دو دن کی رخصت لے کر آیا۔ (ڈاکٹر صاحب انجمن حمایت اسلام کے شفا خانہ میں کام کرتے تھے۔ ایڈیٹر) رات کی گاڑی پر بٹالہ اترا اس لئے رات وہیں رہا۔ اور صبح سویرے اٹھ کر قادیان کو روانہ ہو گیا۔ اور ابھی سورج تھوڑا ہی نکلا تھا کہ یہاں پہنچ گیا۔ میں پرانے بازار کی طرف سے آ رہا تھا۔ جب میں مسجد اقصیٰ کے قریب جو بڑی حویلی (ڈپٹی شنکر داس کی حویلی) ہے وہاں پہنچا تو میں نے اس جگہ (جہاں اب حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا مکان ہے۔ اور اس وقت یہ جگہ سپید ہی تھی)۔ حضرت مسیح موعودؑ کو ایک مزدور کے پاس جو اینٹیں اٹھا رہا تھا کھڑے ہوئے دیکھا۔ حضرت صاحب نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ آپ مجھے دیکھتے ہی مزدور کے پاس سے آ کر راستہ پر کھڑے ہو گئے۔ میں نے قریب پہنچ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ آپ نے وعلیکم السلام فرمایا۔ اور فرمایا کہ اس وقت کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں رات بٹالہ رہا ہوں اور اب حضور کی خدمت میں وہاں سے سویرے چل کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پیدل آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور۔ افسوس کے لہجے میں فرمایا کہ تمہیں بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ میں نے

عرض کیا حضور کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا اچھا بتاؤ چائے پیو گے یا لسّی؟ میں نے عرض کیا کہ حضور کچھ بھی نہیں پیوں گا۔ آپ نے فرمایا تکلف کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارے گھر گائے ہے جو کہ تھوڑا سا دودھ دیتی ہے۔ گھر والے چونکہ دہلی گئے ہوئے ہیں اس لئے اس وقت لسّی بھی موجود ہے اور چائے بھی، جو چاہو پی لو۔ میں نے کہا حضور لسّی پیوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا چلو مسجد مبارک میں بیٹھو۔ میں مسجد میں آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیت الفکر کا دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ایک کوری ہانڈی معہ کوزی چینی کے جس میں لسّی تھی خود اٹھائے ہوئے دروازہ سے نکلے، چینی پر نمک تھا اور اس کے اوپر ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ حضور نے وہ ہانڈی میرے سامنے لاکر رکھ دی اور خود اپنے دست مبارک سے گلاس میں لسّی ڈالنے لگے میں نے خود گلاس پکڑ لیا۔ اتنے میں چند اور دوست بھی آگئے میں نے انہیں بھی لسّی پلائی اور خود بھی پی۔ پھر حضور خود وہ ہانڈی اور گلاس لے کر اندر تشریف لے گئے۔ حضور کی اس شفقت اور نوازش کو دیکھ کر میرے ایمان کو بہت ترقی ہوئی اور یہ حضور کے اخلاق کریمانہ کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ صاحب اس وقت تک خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں اور یہ خود ان کا اپنا بیان ہے۔ سادگی کے ساتھ اس واقعہ پر غور کرو کہ حضرت مسیح موعود کے کیریکٹر (سیرت) کے بہت سے پہلوؤں پر اس سے روشنی پڑتی ہے۔ آپ کی سادگی اور بے تکلفی کی ایک شان اس سے نمایاں ہے۔ اکرام ضیف کا پہلو واضح ہے۔ اپنے احباب پر کسی بھی قسم کی برتری حکومت آپ کے قلب میں پائی نہیں جاتی۔ اور سب سے بڑھ کر جو پہلو اس مختصر سے واقعہ میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے دوستوں جو آپ کے خادم کہلانے میں اپنی عزت وفخر یقین کرتے اور آپ کی کفش برداری اپنی سعادت سمجھتے ہیں کی تکلیف کا احساس از بس ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے پیدل چل کر آنے پر فوراً آپ کے قلب مطہر کو اس تکلیف کا احساس ہوا جو عام طور پر ایک ایسے شخص کو جو پیدل چلنے کا عادی نہ ہو دس گیارہ میل کا سفر کرنے سے ہو سکتی ہے۔ غرض یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔

مولوی علی احمد بھاگلپوری کا واقعہ

مولوی احمد علی صاحب ایم اے بھاگلپوری بیان کرتے ہیں کہ میں جب پہلی مرتبہ دارالامان میں فروری ۱۹۰۸ء میں آیا۔ جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ التحیۃ والسلام کا وجود باجود ہم میں موجود تھا۔ یوں تو حضرت اقدس کی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کے قصے زبان زد خاص وعام ہیں لیکن میں اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ علاوہ خلیل اللہ جیسی مہمان نوازی کے حضور کو اپنے ان خدام کے وابستگان کا جن کو اس دار فانی سے رحلت کئے ایک عرصہ گزر گیا تھا کتنا خیال تھا اور ان کی دلجوئی حضور فرماتے تھے۔ میں جس دن یہاں پہنچا تو ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر مبلغ اسلام متعینہ نائجیریا نے حضور کو ایک رقعہ کے ذریعہ مجھ جیسے ہیچمرز آدمی کے آنے کی اطلاع کی اور اس میں اس تعلق کو بھی بیان کیا جو مجھے حضرت مولانا حسن علی صاحب واعظ اسلام رضی اللہ عنہ سے تھا جن کی وفات فروری ۱۸۹۶ء میں واقع ہوئی تھی۔ میں نے بچشم خود دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا کہ حضور نے مہمان خانہ کے مہتمموں کو بلا کر سخت تاکید میری راحت رسانی کی فرمائی۔ وہ بیچارے کچھ ایسے پریشان سے ہو گئے۔ میں نے انہیں یہ کہہ کر کہ میں یہاں آرام اٹھانے اور مہمان داری کرانے کے لئے نہیں آیا ہوں میں اس مقصد کے حصول کی کوشش میں آیا ہوں جس کو لے کر حضور مبعوث ہوئے ہیں ان کو مطمئن کیا۔

حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ کا واقعہ اور اعتراف مہمان نوازی

حضرت مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری پہلے اسلامی مشنری تھے جنہوں نے ۱۸۸۶ء میں ایک سکول کی ہیڈ ماسٹری سے استعفیٰ دے کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا اہم فریضہ اپنے ذمہ لیا۔ وہ ۱۸۸۷ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ پر تشریف لائے اور امرتسر میں بابو محکم الدین صاحب مختار عدالت اور دوسرے لوگوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر سنا۔ اس وقت آپ نے کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اور نہ ابھی بیعت لیتے تھے البتہ براہین احمدیہ اور دوسری کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ اکثر نیک دل اور سلیم الفطرت لوگ آپ سے فیض پانے کے لئے قادیان بھی آتے رہتے تھے۔ مولوی حسن علی صاحب مرحوم نے اپنے واقعہ کا خود اپنی قلم سے ذکر کیا جو ان کی کتاب تائید حق میں چھپا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"جب میں امرتسر گیا تو ایک بزرگ کا نام سنا۔ جو مرزا غلام احمد کہلاتے ہیں ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان نامی میں رہتے ہیں اور عیسائیوں، برہمو اور آریہ سماج والوں سے خوب مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب براہین احمدیہ نام بنائی ہے جس کا بڑا شہرہ ہے۔ ان کا بہت بڑا دعویٰ یہ ہے کہ ان کو الہام ہوتا ہے۔ مجھ کو یہ دعویٰ معلوم کر کے تعجب نہ ہوا۔ گو میں ابھی تک اس الہام سے محروم ہوں جو نبی کے بعد محدث کو ہوتا رہا ہے لیکن میں اس بات کو بہت ہی عجیب نہیں سمجھتا تھا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ علاوہ نبی کے بہت سے بندگان خدا ایسے گزرے ہیں جو شرف مکالمہ الٰہیہ سے ممتاز ہوا کئے ہیں۔ غرض میرے دل میں جناب مرزا غلام احمد صاحب سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ امرتسر کے دو ایک دوست میرے ساتھ چلنے کو مستعد ہوئے۔ ریل پر سوار ہو کر بٹالہ پہنچا۔ ایک دن بٹالہ میں رہا پھر بٹالہ سے یکہ کی سواری ملتی ہے اس پر سوار ہو کر قادیان پہنچا۔ مرزا صاحب مجھ سے بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ جناب مرزا صاحب کے مکان پر میرا وعظ ہوا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے لئے چندہ بھی ہوا۔ میرے ساتھ جو صاحب تشریف لے گئے وہ مرزا صاحب کے دعویٰ الہام کی وجہ سے سخت مخالف تھے اور مرزا صاحب کو فریبی اور مکار سمجھتے تھے۔ لیکن مرزا صاحب سے مل کر ان کے سارے خیالات بدل گئے اور میرے سامنے انہوں نے جناب مرزا صاحب سے اپنی سابق کی بدگمانی کے لئے معذرت کی، مرزا صاحب کی مہمان نوازی کو دیکھ کر مجھ کو بہت تعجب سا گزرا۔ ایک چھوٹی سی بات لکھتا ہوں جس سے سامعین ان کی مہمان نوازی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مجھ کو پان کھانے کی بری عادت تھی۔ امرتسر میں تو مجھے پان ملا۔ لیکن بٹالہ میں مجھ کو کہیں پان نہ ملا ناچار الائچی وغیرہ کھا کر صبر کیا۔ میرے امرتسر کے دوست نے کمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب سے نہ معلوم کس وقت میری اس بری عادت کا تذکرہ کر دیا۔ جناب مرزا صاحب نے گورداسپور ایک آدمی روانہ کیا دوسرے دن گیارہ بجے دن کے جب کھانا کھا چکا تو پان موجود پایا۔ سولہ کوس سے پان میرے لئے منگوایا گیا تھا"۔ (تائید حق صفحہ ۵۶،۵۵)

یہ واقعہ اس شخص نے بیان کیا ہے جو اسلامی جوش تبلیغ اور اپنی قربانی کے لحاظ سے بے غرض اور صاف گو تھا اور واقعہ اس زمانہ کا ہے جب کہ آپ کا کوئی دعویٰ مسیحیت یا مہدویت کا نہ تھا اور نہ آپ بیعت لیتے تھے۔ ایک مہمان کی ضرورت سے واقف ہو کر اس قدر تردد اور کوشش کہ سولہ کوس کے فاصلہ سے پان منگوایا گیا۔

مہمان نوازی کے اس وصف نے اس شخص کو جو ہندوستان کے تمام حصوں میں پھر چکا تھا اور بڑے بڑے آدمیوں کے ہاں مہمان رہ چکا تھا، حیران کر دیا۔ اس کی سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ اسے سات سال بعد ۱۸۹۴ء میں پھر قادیان لائی اور اس کو حضرت اقدس کی غلامی کی عزت بخشی جس پر وہ ساری عزتوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ غرض یہ واقعہ بھی اپنی نوعیت میں ایک عجیب روشنی آپ کے وصف مہمان نوازی پر ڈالتا ہے۔

حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ کا ایک واقعہ

حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ اپنی ذات کے متعلق تحریر فرمایا کہ:

"ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے حضور مرحوم ومغفور کی خدمت میں قادیان میں کچھ عرصہ قیام کے بعد رخصت حاصل کرنے کے واسطے عرض کیا۔ حضور اندر تشریف رکھتے تھے اور چونکہ حضور کی رافت ورحمت بے پایاں نے خادموں کو اندر پیغام بھجوانے کا موقعہ دے رکھا تھا اس واسطے اس عاجز نے اجازت طلبی کے واسطے پیغام بھجوایا۔ حضور نے فرمایا کہ:

'وہ ٹھہریں ہم ابھی باہر آتے ہیں'

یہ سن کر میں بیرونی میدان میں گول کمرہ کے ساتھ کی مشرقی گلی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور باقی احباب بھی یہ سن کر کہ حضور باہر تشریف لاتے ہیں پروانوں کی طرح ادھر ادھر سے اس شمع انوار الٰہی پر جمع ہونے کے لئے آ گئے۔ یہاں تک کہ سیدنا مولانا نورالدین صاحب بھی تشریف لے آئے اور احباب کی جماعت اکٹھی ہو گئی۔ ہم سب کچھ دیر انتظار میں خم بر سر راہ رہے کہ حضور اندر سے برآمد ہوئے۔ خلاف معمول کیا دیکھتا ہوں کہ حضور کے ہاتھ میں دودھ کا بھرا ہوا لوٹا ہے اور گلاس شاید حضرت میاں صاحب کے ہاتھ میں ہے اور مصری رومال میں ہے۔ حضور گول کمرہ کی مشرقی گلی سے برآمد ہوتے ہی فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کہاں ہیں؟ میں سامنے حاضر تھا فی الفور آگے بڑھا اور عرض کیا حضور حاضر ہوں۔ حضور کھڑے ہو گئے اور مجھ کو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں اسی وقت زمین پر بیٹھ گیا۔ گلاس میں دودھ ڈالا گیا اور مصری ملائی گئی۔ مجھے اس وقت یہ یاد نہیں رہا کہ حضرت محمود نے میرے ہاتھ میں گلاس دودھ بھرا دیا یا خود حضور نے (میں اس واقعہ کا دیکھنے والا ہوں خود حضرت نے گلاس اپنے ہاتھ سے دیا اور میری آنکھ اب تک اس موثر نظارے کو دیکھتی ہے گویا وہ بڑا گلاس حضرت کے ہاتھ سے میر صاحب کو دیا جا رہا ہے۔ ایڈیٹر) مگر یہ ضرور ہے کہ حضرت محمود اس کرم فرمائی میں شریک تھے۔ (صورت یہ تھی کہ حضرت نے مصری گھول کر لوٹے میں ڈالی اور اس کو ہلایا اور گلاس میں دودھ ڈال کر اچھی طرح سے ہلایا۔ پھر حضرت گلاس میں ڈالتے اور گلاس حضرت محمود کے ہاتھ میں ہوتا۔ پھر حضرت گلاس لے کر میر صاحب کو دیتے۔ بعض دوستوں نے خود یہ کام کرنا چاہا مگر حضرت نے فرمایا نہیں نہیں کچھ حرج نہیں۔ ایڈیٹر)۔ میں نے جب وہ گلاس پی لیا تو پھر دوسرا گلاس پر کر کے عنایت فرمایا گیا میں نے وہ بھی پی لیا۔ گلاس بڑا تھا میرا پیٹ بھر گیا۔ پھر اسی طرح تیسرا گلاس بھر اگیا میں نے بہت شرمگین ہو کر عرض کیا کہ حضور اب تو پیٹ بھر گیا ہے۔ فرمایا اور پی لو۔ میں نے وہ تیسرا گلاس بھی پی لیا۔ پھر حضور نے اپنی جیب خاص سے چھوٹی چھوٹی بسکٹیں نکالیں اور فرمایا کہ جیب میں ڈال لو راستہ میں اگر بھوک لگی تو یہ کھانا۔ میں نے وہ جیب میں ڈال لیں۔ حضرت محمود لوٹا اور گلاس لے کر اندر تشریف لے گئے۔ اور حضور نے فرمایا کہ چلو آپ کو چھوڑ آئیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اب میں سوار ہو جاتا ہوں اور چلا جاؤں گا حضور تکلیف نہ فرمائیں مگر اللہ رے کرم ورحم کہ حضور مجھ کو ساتھ لے کر روانہ ہو پڑے۔

باقی احباب جو موجود تھے ساتھ ہو لئے اور یہ پاک مجمع اسی طرح اپنے آقا مسیح موعود کی محبت میں اس عاجز کے ہمراہ روانہ ہوا۔ حضور حسب عادت مختلف تقاریر فرماتے ہوئے آگے آگے چلتے رہے یہاں تک کہ بہت دور نکل گئے۔ تقریر فرماتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت سیدنا و مولانا مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نے قریب آکر مجھے کان میں فرمایا کہ: آگے ہو کر عرض کرو اور رخصت لو جب تک تم اجازت نہ مانگو گے حضور آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔ میں حسب ارشاد والا آگے بڑھا اور عرض کیا کہ حضور اب سوار ہوتا ہوں حضور تشریف لے

باقی صفحہ نمبر ۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں

خطبہ جمعہ

اس دور میں ایک بھی ایسی بات نہیں جو مسلمانوں کے مفادات سے تعلق رکھتی ہو اور اس کا آغاز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آپ کے غلاموں نے نہ کیا ہو

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ ۱۲؍ جون ۱۹۹۸ء بمطابق ۱۲؍ احسان ۱۳۷۷ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله۔

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم ۔

الحمدلله رب العٰلمين ۔ الرحمٰن الرحيم ۔ مٰلك يوم الدين ۔ إياك نعبد و إياك نستعين ۔

اهدنا الصراط المستقيم ۔ صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

گزشتہ دنوں پاکستان کو جو ایٹمی دھماکہ کرنے کی توفیق ملی اس کے متعلق اخبارات میں بکثرت متضاد خبریں آتی رہی ہیں اور مختلف سائنس دانوں کے گروہ اپنے سر سہرا باندھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں جس کی وجہ سے کچھ جگ ہنسائی بھی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ لیکن ایٹمی توانائی کی تاریخ کا آغاز بالکل بھلا دیا گیا ہے بلکہ اس کے برعکس جماعت احمدیہ پر مُلاں اور ان کے چیلے چانٹے یہ الزام لگا رہے ہیں کہ جب ایٹمی دھماکہ ہوا تو ایک دھماکہ ربوہ میں بھی ہوا اور وہ سخت مایوسی اور غم و غصہ کا دھماکہ تھا۔ اتنی تکلیف پہنچی اہل ربوہ کو کہ یہ کیا حرکت ہو گئی کہ پاکستان نے ایٹمی توانائی میں اتنی ترقی کر لی ہے۔ یہ ساری باتیں مولوی کی سرشت میں داخل ہیں وہ ہمیشہ حقائق کو چھپا کر پلید باتیں کرتا ہے جن کا حقائق سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا اور مولویوں کے رعب کے نتیجے میں وہ لوگ جن کو تاریخ یاد رہنی چاہئے تھی وہ بھی یا اس تاریخ سے ناواقف ہو گئے ہیں، ان کا دماغ مولوی کے شور نے بالکل صاف کر دیا ہے یا موجود تو ہے دماغ میں لیکن ڈر کے مارے بات نہیں کرتے۔

اس سے پہلے کہ میں ایٹمی توانائی کی تاریخ جو حقیقی تاریخ ہے اس پر کچھ روشنی ڈالوں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ **پاکستان ہو یا دنیا میں کہیں بھی مسلمان ملت کے مفاد کی بات ہو ہمیشہ بلا استثناء جماعت احمدیہ نے سب سے اول اور مؤثر قدم اٹھایا ہے۔ اور جہاں بھی ملت کے مفادات کو نقصان پہنچا ہے وہاں جماعتی مشوروں کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں نقصان پہنچا ہے۔** قیام پاکستان کی تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ بہت سے حوالے میں دے چکا ہوں اور اب میں سمجھتا ہوں کہ اس ایک گھنٹے کے اندر ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرے خطبات چھپ چکے ہیں، وہ مضامین شائع ہو چکے ہیں جن میں بکثرت ایسے حوالے ہیں کہ پاکستان کی تعمیر میں ہی سب سے اہم کردار جماعت احمدیہ نے ادا کیا ہے۔ اگر جماعت احمدیہ کے کردار کو نکال لیا جائے تو یہ مُلاں لوگ جو آج حکومت پر قابض ہوئے ہوئے ہیں انہوں نے تو پاکستان کو مٹانے کی ہر ممکن تدبیر کر دی تھی۔ اب یہ تاریخ کا ایک مکروہ پہلو ہے کہ وہی لوگ جو پاکستان کو مٹانے میں پیش پیش تھے انہی میں سے ایک شخص جو عطاء اللہ شاہ بخاری کا مرید کہلاتا ہے، اول درجے کا مرید، وہ اس وقت ملک کا صدر بنا ہوا ہے۔ تو جب قوم تاریخ کو ملیا میٹ کرنے پر تُل جائے تو یہی نتیجہ نکلا کرتا ہے۔ حد سے زیادہ مکروہ باتیں پاکستان میں ہو رہی ہیں جن کا تعلق پاکستان سے زیادہ پلیدستان سے ہے۔ جس کے متعلق عطاء اللہ شاہ بخاری ہی کا یہ قول تھا کہ پاکستان تو نہیں بن سکے گا پلیدستان بن جائے گا۔ اب وہ پلیدستان بنانے میں اس وقت سب سے بڑا کردار صدر صاحب ادا کر رہے ہیں۔ تو بہت وفادار شاگرد ہیں جنہوں نے پاکستان کو پلیدستان بنانے کا جو ارادہ تھا اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ہے لیکن وہ اکیلے نہیں ہیں ساری قوم کا مزاج بگڑا ہوا ہے۔ اس قدر غلط کردار پاکستان کا ہے کہ آپ تو الگ رہے دنیا کے باقی دانشور بھی حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ اسلامی ملک میں اس قسم کی بے حیائیاں ہو رہی ہیں۔ ہر بے حیائی منظور ہے مولوی کو اور ہر بے حیائی کی سرپرستی کرتا ہے۔ جھوٹ اس کی سرشت میں داخل ہے۔ یہ سارا اسلام ہے صرف جماعت احمدیہ کا نام لینا ایک جرم عظیم ہے، یہ نام نہ لیا جائے تو سب کچھ اسلام اور جائز ہے۔

اس مضمون کے تعلق میں میں بہت باتیں پہلے کھول چکا ہوں میں اشارۃً صرف یہ باتیں عرض کر رہا ہوں کہ پاکستان کی تاریخ ہو یا کوئی بھی مسلمانوں کے مفاد کی بات ہو اس میں ہمیشہ اولین کردار جماعت احمدیہ نے ادا کیا ہے۔

کشمیر مومنٹ ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۱ء، ۳۲ء، ۳۳ء، ۳۴ء تک، حضرت مصلح موعودؓ نے کشمیر مومنٹ کا آغاز کیا اور اس کے متعلق بکثرت مضامین شائع کئے۔ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی رائے عامہ کو جگایا اور انہیں سمجھایا کہ تم کشمیر کے معاملات اور کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کے معاملات سے بالکل غافل پڑے ہو، اٹھو اور کسی جدوجہد کا آغاز کرو۔ جب یہ آغاز ہوا تو علامہ اقبال ہی نے سب سے پہلا نام میرزا بشیر الدین محمود احمد کا پیش کیا۔ اب یہ بھی تاریخ کے وہ پہلو ہیں جن کے متعلق مستند حوالوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جماعت احمدیہ سے بڑھ کر کشمیر کی آزادی کی مہم چلانے والی اور کوئی جماعت نہیں تھی۔

جہاں تک فلسطین کا تعلق ہے فلسطین کے متعلق سب سے پہلا تنبیہی مضمون جو شائع کیا ہے وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے شائع فرمایا ہے۔ آپ ہی نے فلسطینیوں کو متنبہ کیا کہ اپنی زمینیں یہودیوں کے ہاتھوں بیچنے سے باز آ جاؤ۔ اگر تم نے یہ زمینیں بیچیں تو اب تو ان کو وہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے، ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہاری زمینیں خرید کر یہ اپنے کھڑے ہونے کی جگہ بنائیں گے اور پھر اسے پھیلا دیں گے اور رفتہ رفتہ ان کا دائرہ اثر تمہارے سارے مسلمان ممالک جو عرب میں موجود ہیں ان سب پر محیط ہو جائے گا اور یہ بہت ہی خطرناک حرکت ہے جو تم کر رہے ہو اس سے توبہ کرو۔ اس موقع پر اس مضمون کی تائید میں عراق اور فلسطین اور دوسرے اخبارات میں سے بہت سے دانشور ایسے تھے جن کے ایڈیٹر، جنہوں نے کھل کر تائیدی مضامین لکھے، انہوں نے کہا اگر کوئی صحیح مشورہ دے رہا ہے تو اس وقت جماعت احمدیہ کا سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ہی ہے جو صحیح مشورہ دے رہا ہے۔

آپ نے ان کے جذبات کو ابھارنے کے لئے بڑی پرزور تحریریں لکھیں لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے ان پر کان نہ دھرے۔ ایک تحریر کا نمونہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ نے لکھا، "سوال فلسطین کا نہیں، سوال مدینے کا نہیں، سوال یروشلم کا نہیں، سوال خود مکہ مکرمہ کا ہے۔ سوال زید اور بکر کا نہیں، سوال محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت کا ہے۔ دشمن باوجود اپنی مخالفتوں کے اسلام کے مقابل پر اکٹھا ہو گیا ہے کیا مسلمان باوجود ہزاروں اتحاد کی وجوہات کے اس موقع پر اکٹھا نہیں ہو سکتا"۔ الکفر ملة واحدة کا رسالہ جو شائع ہوا ہے اس کا حوالہ الفضل ۱۹۴۸ء سے ہے۔ یہ الکفر ملة واحدة کا جو مضمون ہے یہ تو سارے عرب میں اور اس سے باہر بھی بہت شہرت پکڑ گیا تھا۔ تو یہ الفاظ تھے جن سے آپ نے مسلمانوں کی غیرت اور عزت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو انگیخت کیا۔

پاکستان کے قیام کے دوران جو خدمات چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے ادا کی ہیں وہ ایک الگ تفصیلی باب ہے جس کے متعلق چوہدری محمد علی صاحب سابق وزیر اعظم پاکستان اپنی مشہور کتاب "پاکستان" کے صفحہ ۳۶۰ پر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ چوہدری محمد علی صاحب احمدی تو نہیں

تھے۔ بنگالی، شریف النفس انسان تھے اور پاکستان کے وزیر اعظم رہے ہیں انہوں نے کھلے لفظوں میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو خراج تحسین پیش کیا کہ پاکستان کے قیام کے بعد کشمیر کی حمایت میں اس سے زبردست تقریریں آپ کو کہیں اور نہیں ملیں گی جیسے ظفر اللہ خان نے کیں اور جو کوششیں کیں ان کا ذکر طویل ہے۔

جہاں تک مسئلہ فلسطین کا تعلق ہے حضرت مصلح موعودؓ نے اس کا آغاز کیا اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے یونائیٹڈ نیشنز یعنی اقوام متحدہ میں مسئلہ فلسطین کی ایسی پیروی کی کہ اس کی کوئی نظیر آپ کو کہیں تاریخ میں نہیں ملے گی، حیرت انگیز وضاحت و بلاغت سے پانچ پانچ گھنٹے آپ نے تقریریں کیں۔ اور ایک ایسا موقع تھا جب کہ امریکہ اور اسرائیل کی یعنی جو بننے والا تھا ابھی، اسرائیلیوں کی سازش سے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے کہ یونائیٹڈ نیشنز میں جب یہ مسئلہ پیش ہو گا تو بھاری اکثریت اسرائیل کے قیام کے حق میں ووٹ دے گی اس وقت ظفر اللہ خان اٹھے ہیں تقریر کے لئے اور فی البدیہہ ایسی تقریر کی ہے کہ مسلمان جتنے بھی نمائندے تھے وہ جوش سے بار بار اٹھتے تھے اور بعض روتے ہوئے آپ کے ہاتھوں کو چومتے تھے کہ ظفر اللہ خان تم نے اسلام اور فلسطین کی حمایت کا حق ادا کر دیا۔

اس کے اوپر جو بعد میں تبصرے چھپے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ میں صرف اتنا بتا دیتا ہوں کہ امریکہ اور صیہون کی پوری کوششوں کے باوجود اس وقت کے نمائندگان جو یونائیٹڈ نیشنز میں موجود تھے ان کی اکثریت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے دلائل سے متاثر ہو گئی۔ اگر اس وقت ووٹ لے لیا جاتا تو اسرائیل کے قیام کا ریزولیوشن پاس ہونا ناممکن تھا۔ اس وقت جیسے دجل کی عادت ہے فوری طور پر امریکہ نے دخل دے کر یہ سوال اٹھایا کہ یہ مسئلہ بہت اہم ہے ابھی ووٹ نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ اگر اسی وقت ووٹ ہو جاتے تو یہودی حکومت کے قیام کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یہ وقت مانگا اور تمام دنیا کی حکومتوں پر دباؤ ڈالا کہ تم اپنے فلاں نمائندہ کو جو اس وقت یہود کی حکومت کے خلاف ہو چکا ہے حکماً، جبراً مجبور کرو کہ اپنا ووٹ فلسطین میں یہود کی حکومت کے قیام کے حق میں دے اس کے خلاف نہ دے۔ جب ساری گنتی کر لی اور یقین ہو گیا کہ اب ہر صورت میں یہودی حکومت کے قیام کے حق میں فیصلہ ہو گا تب کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے یونائیٹڈ نیشنز میں جس کو ڈویژن کال کہتے ہیں یعنی ووٹ طلب کئے کہ بتاؤ کون کس کے حق میں ہے۔ اس وقت حال یہ تھا کہ بعض نمائندگان روتے ہوئے ظفر اللہ خان سے کہہ رہے تھے کہ ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم ابھی بھی اس بات پر سو فیصد مطمئن ہیں کہ فلسطین پر یہودی حکومت کا قیام جائز نہیں لیکن اپنی حکومتوں کے ہاتھوں مجبور ہیں اور بالآخر معمولی اکثریت سے یہ فیصلہ ہو گیا جو اس سے پہلے بھاری اکثریت سے اس فیصلے کو رد ہو جانا چاہئے تھا یعنی اگر اس وقت جس وقت ظفر اللہ خان نے تقریر ختم کی تھی اس وقت اگر ووٹ ہوتے تو یونائیٹڈ نیشنز کی بھاری اکثریت اس فیصلے کو رد کر دیتی۔

اس کے بعد کیا ہوا، کس طرح عرب نمائندوں نے ظفر اللہ خان کی محبت کے گیت گائے ہیں، کس طرح بعد میں عرب رسالوں نے خواہ وہ کسی عرب ملک سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے اخبارات نے ظفر اللہ خان کی مدح سرائی کی ہے اس میں یہاں تک لکھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے آج کے زمانے تک یعنی جب سے رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور پہلا دور ختم ہوا، اس کے بعد آج تک جتنا بھی زمانہ گزرا ہے اس میں ظفر اللہ خان سے بڑھ کر اسلام کا حمایتی ہم نے نہیں دیکھا۔ یہ ساری باتیں فراموش کر دی گئیں، عمداً ان کو مٹایا جا رہا ہے۔ اس تاریخ کو جو یونائیٹڈ نیشنز کے مسودات کا حصہ بنی ہوئی ہے اس کو پاکستان نظر انداز کر دیتا ہے۔ اب یہ کیا انصاف ہے یہ کیسی تاریخ ہے۔ آئندہ آنے والی تاریخ ان تاریخ دانوں کو جو آج کل پاکستان پر مسلط ہیں ان کو لازماً جھوٹا اور بدکردار ثابت کرے گی۔ آئندہ آنے والی نسلیں ان کی تیار کردہ تاریخ پر لعنتیں ڈالیں گی اس میں کوئی بھی شک نہیں۔ سر دست ان کا پلہ بھاری ہے یہ جس چیز کا جو چاہیں نام رکھ لیں۔ اپنے صحراء کو بے شک جنت نشان بتاتے رہیں لیکن اس جنت میں جو حرکتیں ہو رہی ہیں وہ اس جنت میں نہیں ہو سکتیں جس کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے، کوئی دور کی بھی نسبت نہیں۔

اب میں اس مختصر ذکر کے بعد اٹامک انرجی اور اس کا پس منظر آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جو سہرا بھٹو صاحب کے سر پر باندھا جا رہا ہے یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اس کا سہرا اگر کسی پاکستانی سیاستدان کے سر بندھنا چاہئے تو وہ ایوب خان ہیں۔ جنرل ایوب خان سے ہی اٹامک انرجی کے انسٹی ٹیوشن کا آغاز ہوا ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ گوہر ایوب صاحب خود اپنے باپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جو حالات رونما ہوئے اس کے نتیجے میں **جنرل ایوب خان نے یہ پہلا فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں لازماً ایٹمی توانائی کی طرف توجہ کرنی ہو گی** ورنہ ہم ہندوستان جیسے مدمقابل کے سامنے مات کھا جائیں گے اور پھر کوئی بعید نہیں کہ ہندوستان ہمارے ملک پر قابض ہو جائے۔ اس لئے ایک ہی علاج ہے کہ ایٹمی توانائی کو فروغ دیا جائے۔

ایوب خان کی نظر انتخاب جس سائنس دان پر پڑی جس پر آپ کو کامل اعتماد تھا وہ ڈاکٹر عبدالسلام تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے ابتدائی اور بنیادی خدمات سرانجام دینے میں ایسا کردار ادا کیا کہ اگر کوئی مؤرخ شریف النفس ہو تو اس کردار کو بھلا نہیں سکتا۔ اور اس معاملے میں ایسی سیکریسی (Secrecy) سے کام لیا ہے جس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ احمدیوں کو ہم ہٹا رہے ہیں ہر جگہ سے کیونکہ یہ اپنے راز کی باتیں دوسروں کو بتا دیتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے ان امور میں اس قدر اخفاء سے کام لیا ہے کہ بہت بعد تک جب یہ سارے واقعات گزرے مجھے ملتے رہے تو ایٹمی توانائی میں اپنا جو کردار تھا اس کا ذکر بھی نہیں کیا انہوں نے۔ سرسری ساذکر کرتے رہے ہیں اور تاثر یہ دیا کہ گویا ایٹمی توانائی کا جو کام ہوا ہے یہ بعد میں ہوا ہے۔ جھوٹ تو نہیں بول سکتے تھے مگر تاثر یہ دیا۔ میں نہیں جانتا کن الفاظ سے مجھ پر یہ تاثر قائم ہوا مگر اپنے نفس کو بڑھانے کی ان کو عادت ہی نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ایک انتہائی منکسر المزاج انسان تھے، سچے پاکستان کے ہمدرد اور ایوب خان نے جو اعتماد آپ پر کیا اس کو سچا ثابت کر دکھایا۔

یہ جتنے اٹامک، نیوکلیر کمیشن بنے ہیں **مختلف قسم کے اٹامک یعنی یورینیم وغیرہ کی افزائش کے انتظامات ہوئے ہیں ان سب میں ڈاکٹر عبدالسلام کے مشورے کے مطابق وہ سائنس دان ملوث ہوئے ہیں جن میں سے ایک بڑی تعداد احمدی سائنس دانوں کی تھی۔** اور اگر وہ احمدی سائنس دان اس پر کام نہ کرتے تو آج کسی ایٹم بم کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا پاکستان کے لئے۔ اور یہ الزام کہ وہ اپنی خبریں احمدیوں کو دیتے ہیں اس قدر جھوٹا اور لغو ہے کہ اب جبکہ یہ واقعہ ہو گیا تو امریکہ سے شیخ لطیف صاحب نے جو اس وقت چوٹی کا کردار ادا کرنے والے تھے انہوں نے پہلی بار مجھے لکھا ہے کہ یہ سارے جھوٹ بول رہے ہیں، بات کچھ اور ہی ہے۔ ایوب خان کے زمانے میں آغاز ہوا اور میں ان سائنس دانوں میں سے ہوں جنہوں نے اولین کلیدی کردار ادا کیا ہے یورینیم کی افزائش کے تعلق میں۔ اور مدتوں اس پر کام کیا، مختلف ممالک کے دورے کئے ہیں اور افزائش کے سلسلے میں اگر یہ سارا کام جو مخفی طریق پہ ہوتا رہا ہے اگر یہ نہ کیا جاتا تو آج پاکستان ایٹم بم بنانے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

تو اول طور پر یاد رکھیں کہ اس کا سہرا نہ بھٹو کے سر ہے نہ ضیاء الحق کے سر ہے، نہ نواز شریف

Earlsfield Foundation

(Hospital Division)

Compitition

for young Architect

to design a Hospital

First Prize 100,000 rp.

Second Prize 50,000 rp.

Third Prize 25,000 rp.

For further details write to

The manager

175 Merton Road . London

SW18 5EF. U.K.

کے سر ہے۔ یہ سارے بعد میں شہرت لوٹنے والے لوگ ہیں۔ سہرا اگر کسی پاکستانی سیاست دان کے سر ہے تو وہ جنرل ایوب خان تھے۔ بہت گہرے انسان جن کی نظر ملک و قوم کے مفادات پر تھی اور دیکھنے میں ایک سادہ سے جرنیل تھے۔ مگر ان کی بہت باریک اور گہری نظر اسلامی مفادات اور ملکی مفادات پر پڑا کرتی تھی۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ اٹامک انرجی کمیشن قائم ہوا۔ اس میں ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ خاموشی سے کام کرتے تھے اور اپناڈ کھاوا منظور ہی نہیں تھا۔ اس وجہ سے بھی اس زمانے کی تاریخ کو اب بھلا دیا گیا ہے ورنہ اگر اس وقت وہ کھل کر یہ باتیں کرتے تو ان کو ذاتی شہرت تو مل سکتی تھی مگر سب دنیا کی نظریں پاکستان کے اٹامک پروگرام پر ہوتیں اور اس وقت دخل اندازی کر کے وہ اس کی بنیاد ہی قائم نہ رہنے دیتے۔ پس اپنی انا کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کی انہوں نے اور اعتماد کیا تو احمدیوں پر کیا اور ڈاکٹر عبد السلام نے جن لوگوں کے نام پیش کئے ان سب کو قبول کیا۔ وہی نام ہیں جن میں سب سے بڑا نام اس وقت منیر احمد صاحب کا ہے۔ منیر احمد صاحب نے جو بڑے جرأت والے بااخلاق انسان ہیں اٹامک انرجی کمیشن میں بہت بڑا کام سرانجام دیا ہے۔ اس کو منظم کرنے میں بعد ازاں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اور یہ تسلیم کرتے ہیں کھل کر کہ ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے لائے ہوئے تھے اور انہی کے اعتماد کی وجہ سے ان کو یہ توفیق ملی ہے۔ اب منیر احمد خان صاحب زندہ موجود ہیں، آپس میں یہ لوگ جتنا بھی فخر بانٹنا چاہیں ایک دوسرے سے چھین چھین کے بے شک بانٹیں، ان سے اگر کوئی پوچھے کہ بتاؤ کہ اٹامک انرجی کمیشن کے آغاز میں سب سے اہم کردار کس نے ادا کیا تو وہ بلاشبہ کہیں گے کہ ڈاکٹر عبد السلام نے۔

انہوں نے ڈاکٹر عبد السلام پر ان کی وفات کے بعد جو مضمون لکھا، جو ٹریسٹ میں پڑھا گیا اس میں بہت کھل کر ڈاکٹر عبد السلام کی عظمت کے گیت گائے ہیں اور ان سب باتوں کا اگر آج کسی غیر احمدی سائنسدان کو قطعی یقینی علم ہے تو وہ یہ منیر احمد خان صاحب ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ پرائیویٹ مجالس میں جب ان سے پوچھا جائے گا تو یہ ضرور بتائیں گے۔ لیکن اس آغاز کی تاریخ کا انہوں نے کیوں ذکر نہیں کیا میرے نزدیک پاکستانی حکومت اور پاکستانی میڈیا اور پاکستانی اخبارات اس کے متحمل ہی نہیں ہو سکتے تھے اس لئے بعید نہیں کہ انہوں نے بیانات میں یہ سچی باتیں کہی ہوں لیکن ان کو بالکل کلیۃً نظر انداز کر دیا گیا ہو اور ملیا میٹ کر دیا گیا ہو۔

تو اس وقت جو پاکستان کی نیوکلیئر افزائش کے تعلق میں ایک عالمی حیثیت قائم ہو گئی ہے اس میں اول کردار ایوب خان اور دوئم کردار جو سائنسی کردار ہے یہ ڈاکٹر عبد السلام نے ادا کیا۔ ڈاکٹر سلام صاحب نے یورینیم کی افزائش کے سلسلے میں ڈیرہ غازیخان میں یورینیم کے ذخائر کی دریافت کے بعد اس کو کس طرح ایٹمی توانائی کے قابل بنایا جا سکتا ہے اس کے متعلق سب سے اہم مشورے دئے اور شیخ لطیف صاحب جو احمدی سائنس دان ہیں یہ وہ سائنس دان ہیں جن کو اس کام پر مامور رکھا ہے۔ بڑی خاموشی کے ساتھ، بغیر کسی انانیت کے جذبے کے تحت کریڈٹ لینے کی کوشش کے، انتہائی خاموشی اور اخفاء کے ساتھ یہ کام کرتے رہے ہیں۔ اور اس کی تفصیل میں یہاں بیان نہیں کر سکتا لیکن میرے پاس وہ سارے کوائف موجود ہیں۔ اگر میں بیان کروں تو دنیا حیران رہ جائے گی کہ احمدی سائنس دانوں نے کتنی خاموشی کے ساتھ وہ خدمات سرانجام دی ہیں جن کے بغیر پاکستان میں نیوکلیئر افزائش کا کوئی سلسلہ ہی نہیں چل سکتا تھا۔ کسی غیر معروف جگہ میں بیٹھ کر یہ لیبارٹریاں بناتے رہے ہیں۔ وہ آج کی جو جدید لیبارٹری بنی ہے وہ اسی لیبارٹری کے خدوخال پہ بنی ہے جو انہوں نے تجویز کی تھی اور بنا کے دکھائی تھی تو بلیو پرنٹ بھی ان کا ہی تیار کردہ تھا اور بلیو پرنٹ کو ڈھال کر عملی شکل دینے میں بھی انہوں نے ہی سب سے بڑا کردار ادا کیا اور بعد میں جب زیادہ وسعت کی ضرورت پڑی تو بعینہ انہی کی سکیم کو آگے بڑھا کر وسعت دی گئی ہے۔ اب یہ امریکہ میں ہیں شیخ لطیف احمد صاحب جن کا اس سارے واقعہ کے بعد مجھ سے رابطہ ہوا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ ان کو کچھ بھی پرواہ نہیں تھی اپنی انا کے اظہار کی۔ جب تک یہ دھماکے نہیں ہوئے اس وقت تک انہوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ مجھے بھی بتائیں کہ اس سے پہلے کیا کرتے رہے ہیں۔

انہوں نے کچھ اور سائنس دانوں کے نام بھی بھیجے ہیں۔ ڈاکٹر منیر احمد خان صاحب کی سربراہی میں جو ٹیم بنائی گئی تھی اس میں جو احمدی سائنس دان کلیدی اسامیوں پر فائز تھے ان میں ایک شیخ لطیف احمد صاحب یہی امریکہ والے، دوسرے مرزا منور احمد صاحب کینیڈا والے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے نام ہیں مثلاً محمود احمد شاد صاحب ٹورانٹو کینیڈا میں ہیں۔ نیوکلیئر فیوژن کی مینجمنٹ میں انہوں نے بہت بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔ شیخ لطیف صاحب کا جو کردار رہا ہے ۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۹ء تک، مینوفیکچر آف نیوکلیئر ریسرچ Equipment یہ انہی کا کارنامہ ہے۔ ۱۹۷۲ء میں مینوفیکچر آف یورینیم ایکسٹریکشن پائلٹ پلانٹ انہوں نے تجویز کیا۔ انہوں نے اپنے سامنے بنوا کر دکھا دیا کہ یہ تجویز محض ایک خیالی تجویز نہیں، عملاً یہ ہو سکتا ہے۔ ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۹ء پراسیسنگ آف یورینیم مینوفیکچرنگ نیوکلیئر فیوژن یہ بھی ان کا کارنامہ ہے۔

اب یہ اس کو جو مرضی اپنے سر تھوپنے کی کوشش کرے یہ وہ حقائق ہیں جو پاکستان کی تاریخ میں مندرج ہیں اور ان حقائق کو یہ مٹا سکتے ہی نہیں۔ اس لئے قدیر خان صاحب کی باتیں ہوں یا کسی اور سائنس دان کی باتیں ہوں حقیقت میں یہ احمدی سائنٹسٹ ہیں جنہوں نے بہت گہری علمی خدمات سرانجام دی ہیں اور آج کا ایٹم بم ان کا مرہون منت ہے۔ یہ جو کہا جا رہا ہے کہ عبد القدیر نے فیوژن میں کام کیا باقی سب کام دوسروں نے کئے، یہ سب غلط ہے۔ عبد القدیر صاحب کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی، کوئی شمار ہی نہیں تھا پروپیگنڈا کے سپیشلسٹ ہیں وہ اور بہت پروپیگنڈا کیا ہے انہوں نے۔ اس کے متعلق اخبارات میں یہ خبریں شائع ہو چکی ہیں کہ کس طرح بعض صحافیوں کو انہوں نے خریدا اور اپنی جیب سے پیسے خرچ کر کے ان کو اپنی تائید میں لکھنے پر آمادہ کیا۔ اب یہ ساری باتیں پاکستان کے اخبارات میں چھپی ہوئی موجود ہیں ان کی تفصیل میں میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ مجھے پسند نہیں کہ عبد القدیر خان صاحب کے کئے کرائے پر پانی پھیرنے کی کوشش کروں۔ ان بے چاروں نے جو کچھ کریڈٹ لے لیا ہے اللہ ان کو مبارک کرے مگر تاریخ بدلنے کا ان کو کوئی حق نہیں تھا۔ جو تاریخ کہہ رہی ہے وہ یہ باتیں ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

شیخ لطیف صاحب کے علاوہ مرزا منور احمد صاحب ٹورانٹو کا میں نے بتایا ہے اسی طرح ڈاکٹر محمد افضل صاحب ۱۹۶۴ء سے ۱۹۶۹ء تک سنٹر فار نیوکلیئر سٹڈیز میں لیکچرار رہے ہیں یعنی پروفیسر تھے اور اٹامک انرجی کے سائنس دانوں کو نیوکلیئر سائنس کی ٹیکنالوجی پڑھانے میں انہوں نے سب سے نمایاں کام سرانجام دیا ہے۔ جو ٹیم بنی ہے، بہت سارے کثرت سے لوگ Involve ہوتے ہیں ایسے کاموں میں، اس ٹیم کو بنانے میں بھی احمدی پروفیسرز کا دخل ہے۔ تو تعجب کی بات ہے کہ ان سب باتوں کو آج کا پاکستان کلیۃً بھلا رہا ہے اور ایک نئی تاریخ کو جنم دینے کی کوشش کر رہا ہے جو سراسر جھوٹی ہے۔ اس مختصر ذکر کے بعد چونکہ میں نے حوالے نہیں پڑھے جو مختلف مضامین کے میرے پاس موجود ہیں اس لئے میرے اندازے سے جلدی وقت ختم ہو گیا ہے ورنہ میرا خیال تھا کہ اگر یہ حوالے پڑھوں تو پھر پورا وقت ہو جائیگا۔ پھر ڈر کے مارے نہیں پڑھے کہ زیادہ ہی وقت نہ لگ جائے اب مختصر تبصرہ کر کے اس خطبے کو ختم کر دیتا ہوں۔

آج کا دور یعنی وہ دور جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوتا ہے اس **دور میں ایک بھی ایسی بات نہیں جو مسلمانوں کے مفادات سے تعلق رکھتی ہو اور اس کا آغاز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آپ کے غلاموں نے نہ کیا ہو۔** مسلم لیگ کی بنیاد بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈالی۔ مسلم لیگ کا تذکرہ

VELTEX INDUSTRIES INC.

. . . . the worldclass fabric manufacturers

Specializing

in

velvet, twill, denim, jacquard, pinpoint

at competitive pricing with best quality.

BUYING FACTORY DIRECT IS THE ANSWER

Wholesaler,

readymade garments producers

& converters are welcome

Pleasecontact:

Corporate Office,

VELTEX INDUSTRIES INC.

4th Floor, 14726 Ramona Avenue

Chino Hills, California 91710, USA

Phone: (909) 393-9935

Fax: (909) 393-8117

Web site: www.veltex.com

e-mail: veltex@veltex.com

بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لازماً الہاماً اس طرف توجہ پیدا ہوئی کہ ہندوستان کے جتنے مسلمان ہیں ان کو اکٹھا ہو کر ایک لیگ کی بنیاد ڈالنی چاہئے۔اور آج کی مسلم لیگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ عجیب کردار ہے جس کو ہرگز اللہ قبول نہیں فرماتا اور اس کا بد اثر کچھ دیکھ رہے ہیں، کچھ اور بھی دیکھیں گے۔

پاکستان کی تاریخ میں جماعت احمدیہ نے جو کردار ادا کیا اس سلسلے میں تمام مستند کتابیں جو پہلے زمانے کی چھپی ہوئی ہیں، رئیس احمد جعفری کی کتاب ہو یا کوئی اور ان میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ تمام ہندوستان کی مذہبی جماعتوں میں اگر کوئی جماعت تھی جس نے پاکستان کی تعمیر میں کام کیا ہے تو یہ جماعت احمدیہ تھی۔اور اب ان کے سکول کی لغو اور لچر کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مولویوں نے پاکستان کو تعمیر کیا اور جماعت احمدیہ اس کی مخالف رہی ہے۔ تو ہر چیز میں انہوں نے واضح جھوٹ اور ناشکری سے کام لیا ہے اس کے نتیجے میں یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان زیادتیوں کو نظر انداز فرمادے۔ ہمیشہ خدا کا یہی دستور رہا ہے کہ جماعت کو توفیق بخشتا ہے۔جب یہ لوگ نظر انداز کرتے ہیں تو ان کو سزا ملتی ہے۔

کشمیر میں جب بالآخر علامہ اقبال نے حضرت مصلح موعودؓ کی کوششوں کو نظر انداز کیا تو اسکے بعد پھر کشمیریوں پر مظالم کا ایک ایسا دور شروع ہوتا ہے جس کو قیام پاکستان ہی نے آکر ختم کیا یا ایک حد تک ختم کیا اور قیام پاکستان کے بعد دوبارہ پھر اگر کشمیریوں کی حمایت کے آغاز کا موقع ملا تو حضرت مصلح موعودؓ کو ملا ہے۔ کس طرح ان باتوں سے آنکھیں بند کرتے ہیں تعجب ہے۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص اس طرح حقائق کو دیکھ کر ان سے آنکھیں بند کر کے بالکل ایک مختلف بات، من گھڑت بات اس کی جگہ بنالیتا ہے۔

کشمیر کی تاریخ کے متعلق اب میرے پاس حوالے تو نہیں ہیں جو مجھے زبانی یاد ہے وہ یہ ہے کہ پارٹیشن کے فوراً بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رتن باغ سے اس تحریک کا آغاز کیا ہے۔ احمدی آفیسرز آپ کو ملنے آتے رہے اور بہت سے غیر احمدی افسران آپ کو ملنے کے لئے آتے رہے کیونکہ ان کو اعتماد تھا کہ اگر یہ تحریک کوئی شروع کر سکتا ہے تو صرف آپ کر سکتے ہیں۔ صوبہ سرحد میں رائے عامہ کو درست کرنے کے لئے آپ نے احمدی بااثر پٹھانوں کو مقرر کیا اور انہوں نے تمام صوبہ سرحد کا دورہ کر کے رائے عامہ کو کشمیر کے حق میں ابھارا اور جو جتھے جانے شروع ہوئے ہیں کشمیر کی تائید میں یعنی پٹھانوں کے جتھے وہ جماعت احمدیہ نے بھیجے تھے۔

اب یہ جو چاہیں اس کا نام رکھ دیں۔ یہ حقائق ہیں جو تاریخ کے حقائق ہیں ان کو کوئی شریف النفس انسان ملیامیٹ نہیں کر سکتا۔ چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔ بدباطن بھی ملیامیٹ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ یہ جیسے پتھر پر تحریریں لکیر بن جاتی ہیں جو مٹائی نہیں جاسکتیں وہ لکیر ہے یہ تاریخ پر، جس کو اب یہ لوگ مٹا نہیں سکتے۔ مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے آپ کو صبر سے کام لینا ہوگا۔ وقت بدل جایا کرتے ہیں۔ پہلی قوموں نے بھی بہت صبر سے کام لیا ہے اور بالآخر حقیقی تاریخ کے نقوش ان مٹائی ہوئی تحریروں میں سے ابھرنے شروع ہوئے اور نئے نقشوں نے جگہ لی ہے۔

پس جماعت احمدیہ کو میری یہ نصیحت ہے کہ آپ صبر سے کام لیں۔ جہاں تک ممکن ہے ان باتوں کو اخباروں میں شائع کرنا شروع کریں کیونکہ اس قوم کی یادداشت بہت ہی چھوٹی ہے۔ اگر کوشش کریں گے تو کوئی بعید نہیں کہ اگر احمدیوں کے وفود ملیں پاکستان کے بعض کرتادھرتا ایڈیٹرز ہوں یا اخباروں کے مالک ہوں ان سے ملیں تو ہرگز بعید نہیں کہ وہ سچی بات کر سکتے ہوں یا کریں۔ مثلاً نوائے وقت ہے اس کے حمید نظامی صاحب کے بیٹے اِس وقت نوائے وقت پر قابض ہیں۔ اِس وقت کے نوائے وقت کا کردار اتنا مکروہ ہے کہ انسان تعجب کرتا ہے کہ حمید نظامی کا بیٹا اس حد تک گر چکا ہوگا کہ اپنے باپ کے مسلک سے بالکل مختلف مسلک اختیار کرلے گا، حالانکہ نوائے وقت حمید نظامی کا بنایا ہوا اخبار ہے، حمید نظامی کی صحافت کی عظمت ہے جس نے نوائے وقت کو ایک اہمیت بخشی ہے۔

نوائے وقت ۲۴؍اگست ۱۹۴۸ء کا آپ دیکھیں۔ ۱۹۴۸ء میں ۲۴؍اگست کو حمید نظامی نے کیا لکھا۔ وہ لکھتے ہیں، ”ہندوستان نے کشمیر کا قضیہ یو این او میں پیش کر دیا۔ چوہدری صاحب پھر نیویارک پہنچ گئے۔ ۴؍فروری ۱۹۴۸ء کو آپ نے یو این او میں دنیا بھر کے چوٹی کے دماغوں کے سامنے اپنے ملک و ملت کی وکالت کرتے ہوئے مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تقریر کی۔ ظفر اللہ خان کی تقریر ٹھوس دلائل اور حقائق سے لبریز تھی۔ کشمیر کمیشن کا تقرر ظفر اللہ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے مسلمان کبھی نہ بھول سکیں گے“۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔ مسلمانوں نے تو بھلا دیا ہے۔ مگر مسلمانوں نے کب بھلایا ہے۔ جو بھلانے والے ہیں ان کا نام مسلمان ہے ان کا کردار مسلمان نہیں ہے۔ اگر حقیقت میں ان کا کردار بھی مسلمان ہوتا، ان میں اسلامی جذبہ تشکر کا ایک معمولی سا جذبہ بھی ہوتا تو ناممکن تھا کہ یہ ان واقعات کو بھلا سکتے۔

اُس زمانے کے اخبارات میں کچھ شرافت موجود تھی، کچھ باتیں وہ جرأت سے کہہ دیا کرتے تھے۔ جو شرافت اب اِن اخبارات میں جو آج کل چل رہے ہیں نام کو بھی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے عرض کیا ہے کہ جماعت کو جدوجہد کر کے اُن لوگوں کو جو اخبارات کے مالک ہیں یا ایڈیٹر ہیں بار بار ضرور ملنا چاہئے۔ کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ بعض دفعہ دیکھنے میں لگتا ہے کہ بہت مخالف اور متعصب ہے، جب ملا جائے اور بات سمجھائی جائے تو اندر کا انسان جاگ اٹھتا ہے۔ اس لئے نوائے وقت ہو یا دوسرے اخبارات ہوں ان کے سربراہوں سے جن کے ہاتھ میں ان کی کلیدیں ہیں اور ان کے مدیروں سے ضرور ملنا چاہئے اور پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ان کے اندر کا ضمیر جاگ اٹھے۔

اب یہ Stated Weekly of Pakistan کا ایک حوالہ میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ ۱۳؍مارچ ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں لکھتا ہے، ”ہمارے وزیر خارجہ نے وہ ناموری حاصل کی ہے جو بلاشبہ کسی دوسرے ملک کو نصیب نہیں ہے۔ یعنی وزارت خارجہ کا جو حق ظفر اللہ خان نے ادا کیا ہے وہ دنیا بھر کے کسی وزیر خارجہ کو نصیب نہیں ہوا۔ چھوٹے سے ملک کا نمائندہ ہو کر شہرت کے آسمان پر ایسا ابھرے اور ایسا چمکے ہیں کہ دنیا بھر کے وزرائے خارجہ کو بالکل ماند کر کے دکھا دیا۔ اڑھائی سال کے عرصہ میں بیرونی دنیا میں انہوں نے پاکستان کی ساکھ کو قائم کرنے اور اس کی عزت و وقار کو چار چاند لگانے کا جو کارنامہ سرانجام دیا ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ سلامتی کونسل میں جس طریق پر انہوں نے مسئلہ کشمیر کا معاملہ پیش کیا ہے اس سے اس فریب کا جو پاکستان کو دیا جا رہا ہے پردہ چاک ہو گیا ہے۔ Lake State میں کمال بے جگری سے انہوں نے کشمیر کی جنگ لڑی ہے اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کر کے کہ بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں کسی بھی زاویۂ نگاہ سے کیوں نہ دیکھا جائے جارحانہ اقدام کا ارتکاب کرنے میں پہل دوسرے فریق نے کی ہے۔ وہ اس جنگ میں فتحیاب رہے ہیں۔ قائداعظم مرحوم کی طرح وہ جھکنا نہیں جانتے تھے۔ وہ اس فتح کے قائل ہی نہیں تھے جو گر کر نصیب ہو“۔ یہ ہے احمدیوں کے کردار کو خراج تحسین۔

جب ان پر اعتماد کیا گیا اور پاکستان کی وکالت ان کے سپرد کی گئی تو اس طرح وفا کے ساتھ، اس طرح سچائی کے ساتھ انہوں نے اس کا حق ادا کیا ہے۔ اب یہ مشہور کر رہے ہیں کہ احمدیوں کو اس لئے کلیدی عہدہ نہیں دیا جاتا کہ ملک کے بھی غدار ہیں اور اسلام کے بھی غدار ہیں۔ بے حیائی کی کوئی حد تو ہونی چاہئے مگر ہمارے بدنصیب وطن میں اس کی کوئی حد معلوم نہیں ہوتی۔ م ش جو نوائے وقت کے مقالہ نگار تھے ان کی ایک تحریر پڑھ کے میں اس خطبے کو ختم کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں، ”وہ اردو انگریزی کے ایک بے پناہ، زبردست اور ٹھنڈے دل و دماغ کے اعلیٰ پایہ کے مقرر تھے۔ انہوں نے قائداعظم کے حکم کے تحت پارٹیشن کمیٹی یعنی باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی جس طرح ترجمانی کی اس کا مکمل ریکارڈ موجود ہے“۔ مگر ذکر بھی نہیں کرتے اس ریکارڈ کا کیونکہ اس کے برعکس نتیجہ نکالنے کے عادی بن چکے ہیں یہ لوگ۔ ”اسی طرح قیام پاکستان کے بعد انہوں نے جس انداز سے کشمیر کے مسئلہ کو سیکیورٹی کونسل کے سامنے پیش کیا یہ اس کا ثمر تھا کہ سیکیورٹی کونسل نے متفقہ طور پر کشمیر کے مستقبل کو عوام کے استصواب رائے سے مشروط کر دیا“۔ یہ جو واقعہ گزرا ہے یہ ظفر اللہ خان کی کوششوں سے ہوا ہے۔ ”چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے عربوں کے کیس کی اقوام متحدہ میں جس خلوص اور دیانت داری، بلند حوصلگی سے نمائندگی کی اس کا اعتراف تمام عالم اسلام کو ہے“۔ اگر پاکستان کو نہیں تو یہ عالم اسلام نہیں ہے۔ م ش جو احمدی نہیں تھے بلکہ ایک دور میں احمدیت کی بڑی

شمالی جرمنی کی گائے کے بہترین گوشت سے تیار شدہ

سلامی اور شنکن

(SALAMI & SHINKEN)

عمدہ کوالٹی اور پورے جرمنی میں بروقت ترسیل کے لئے ہمہ وقت حاضر پیزا (PIZZA) کے کاروبار میں آپ کے معاون

احمد برادرز

خالص گائے کے گوشت سے تیار شدہ سلامی اور شنکن کے خواہشمند حضرات بذریعہ
ٹیلیفون فری سروس سے فائدہ اٹھا کر بازار سے بارعایت اور تازہ مال حاصل کر سکتے ہیں

آج ہی رابطہ کیجئے

CH.IFTIKHAR & BROTHERS

TEL: 04504-201 FAX: 04504-202

سخت مخالفت کیا کرتے تھے ان کا یہ اقرار ہے۔ کہتے ہیں عالم اسلام کو تو اعتراف ہے جن کو نہیں ان کا نام جو مرضی بھی ہو عالم اسلام نہیں ہے۔ ''میں نے جو کچھ دیانتداری سے سمجھا اسے لکھ دیا''۔ یہ م ش کا دیانتداری کا اقرار ہے۔

اب میں اس خطبے کو ختم کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کو صرف یہ نصیحت کرتا ہوں کہ بے دلی اور کمزوری نہ دکھائیں۔ اپنی نیکیوں پر استقامت اختیار کریں۔ قوموں کی تاریخ بدل جایا کرتی ہے۔ بالآخر صبر کو فتح نصیب ہوا کرتی ہے۔ آپ دعائیں کرتے رہیں اور صبر سے کام لیں۔ اس وقت جو حالات ہیں ان میں پاکستان کے سر پر بہت بڑے خطرات منڈلا رہے ہیں اتنے خطرناک حالات ہیں کہ ان کا اگر صحیح علم آپ کو ہو تو دل دہل جائے۔ کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں رہا جو بدامنی کا شکار نہ ہو چکا ہو۔ اقتصادی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے ہیں۔ یہ بات تو غلط ہے کہ امریکہ یا دوسرے امیر ملکوں کے بائیکاٹ کے نتیجے میں پاکستان کو کوئی بڑا اقتصادی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑی قومیں بڑی خود غرض ہیں۔ جہاں ان کا اپنا مفاد ہو، جہاں یہ خطرہ لاحق ہو کہ اگر انہوں نے تجارتی تعلقات کاٹ دئے تو اس ملک کی منڈی کسی اور ملک کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ وہاں ان کو کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کہ ہماری عمومی پالیسی کے برعکس تجارتوں کو بحال رکھنے سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔

پس اس بارے میں وزیر اعظم پاکستان مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بالکل صحیح تشخیص کی ہے بار بار قوم کو یقین دلایا ہے کہ ان کی اقتصادی پابندیاں بالکل بے معنی اور لغو باتیں ہیں، خصوصیت سے اس وقت جبکہ ہندوستان اور پاکستان کے مفادات دونوں ہی امریکہ کے مقابل پر اکٹھے ہو چکے ہیں تو اتنی بڑی اقتصادی منڈی جو سارے ہندوستان پر پھیلی ہو اور پاکستان پر پھیلی ہو اس کو نظر انداز کرنے کا دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی اختیار نہیں۔ یورپین ہوں یا امریکن یا کینیڈین یا جاپانی، ان سب نے اپنی منڈیوں کی ساکھ لازماً قائم رکھنی ہے۔ صرف ایک چیز سے احتیاط کی ضرورت ہے جس سے ہماری اقتصادیات کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور اس نقصان پہنچانے میں یہ لوگ ماہر ہیں۔ وہ یہ ہے کہ پاکستان کو اپنی جتنی بھی ضرورتیں ہیں ان کو پورا کرنے کے لئے ان کو جو ظاہری پابندیاں ہیں وہ کوئی کام نہیں دے سکتیں لیکن کچھ مخفی ایسے ارادے ہیں جو پاکستان کو مشکل میں ڈالنے کے لئے ان کے کام آسکتے ہیں۔ ظاہر تجارت ہر اس جگہ جاری رہے گی جس تجارت کا مفاد ان کو پہنچتا ہے۔ مخفی تجارت جس میں ہتھیار شامل ہیں، جس میں سائنسی آلات شامل ہیں، جس میں کمپیوٹر شامل ہیں ان کو یہ روک سکتے ہیں لیکن ان کو روکنا بھی دراصل ان کے اختیار میں نہیں کیونکہ پاکستان بعض دوسرے ممالک سے یہی آلات خرید سکتا ہے اور اس طرح ان کی تجارت متاثر ہو سکتی ہے۔ اس کے متعلق یہ ہوشیاری کرتے ہیں کہ وہی آلات دوسری طرف سے مہیا کرتے ہیں۔ اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ آئندہ سے ہندوستان یا پاکستان کو ہرگز یہ آلات مہیا نہیں کئے جائیں گے جن کا بڑے کمپیوٹر سے تعلق ہے یا نیوکلیئر ٹیکنالوجی سے تعلق ہے یہ ہم ان کو نہیں دیں گے اور پھر دوسرے ہاتھ سے، مخفی ہاتھ سے ان کو مہیا کرنے کا انتظام کرتے ہیں اور پیسے زیادہ وصول کرتے ہیں۔ پس Crises جو بھی ہو وہ اپنی Advantage کے لئے اس کو بدل دیتے ہیں اس سے اپنے مقاصد پہلے سے بڑھ کر حاصل کرتے ہیں۔ تو اعلان عام یہ ہوگا کہ ہم ان چیزوں کو بالکل پاکستان اور ہندوستان کے لئے بند کر رہے ہیں اور اندرونی ہاتھ کے ساتھ یہ ساری چیزیں کسی رستے سے مہیا کریں گے اور قیمت بڑھ جائے گی۔ اس لئے جو بڑھی ہوئی قیمت ادا کرنی ہے اس نے پاکستان کی اقتصادیات پر اثر انداز ہونا ہے۔ اس لئے میرا اُن کو یہ مشورہ ہے کہ باقی جتنے مرضی اختلافات ہوں امریکہ اور مغربی طاقتوں اور اسی طرح بڑی طاقتوں جاپان وغیرہ کے مقابل پر جو ہندوستان اور پاکستان کے مشترکہ مصالح ہیں ان کے متعلق ان کو مل کر غور کرنا چاہئے۔ لڑنا ہے تو بے شک لڑیں لیکن ان کے لئے لازم ہے کہ مشترکہ مصالح کے تعلق میں مل کر غور کریں۔ اور اگر ہندوستان کے دانشور اور پاکستان کے دانشور اس معاملے میں اکٹھے ہو جائیں کہ یہ ہمارے مشترکہ مفادات ہیں جو اکیلے اکیلے حل ہو ہی نہیں سکتے، دونوں ایک ایسی پالیسی اختیار کریں کہ مغربی طاقتوں کی پالیسی کو ناکام اور نامراد بنادیں۔ یہ فیصلہ کر کے جو مشورے کریں گے ان کا معنیٰ ہوگا، وہ معنی خیز مشورے ہونگے اور ان کا بہترین نتیجہ نکل سکتا ہے۔ پس یہ نہیں مانیں گے اس بات کو تو اپنا نقصان اٹھائیں گے مگر لازماً ان کو یہ بات ماننی چاہئے۔ اختلاف اپنی جگہ پر، مشترکہ مصالح اپنی جگہ پر ہیں ان کو کیوں نقصان پہنچانے دیتے ہیں۔ پھر بے شک لڑتے رہیں جو مرضی کریں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپس میں ان کی لڑائیاں ہوں مگر میرا مطلب یہ ہے کہ اگر مجبور ہیں لڑنے پر تو پھر لڑتے بھی پھریں بے شک، لیکن مشترکہ مفادات کی حفاظت کے بعد ایسا کام کریں، اس کے بغیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ توفیق عطا فرمائے۔ دونوں کو میرا ایک ہی مشورہ ہے ہندوستان کی فلاح و بہبود کے لئے یا پاکستان کی فلاح و بہبود کے لئے یہ مشورہ دونوں صورتوں میں بہت ضروری ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

بقیہ: صبر و استقامت از صفحہ ۲۱

اس سفر سے واپسی پر میرے پاس پہاڑوں کا فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ مجھے خدا نے آپ کی طرف بھیجا ہے تا کہ اگر ارشاد ہو تو میں یہ پہلو کے دونوں پہاڑ ان لوگوں پر پیوست کر کے ان کا خاتمہ کر دوں۔ آپ نے فرمایا ''نہیں! نہیں! مجھے امید ہے کہ انہی لوگوں میں سے وہ لوگ پیدا ہونگے جو خدائے واحد کی پرستش کریں گے''۔

یہاں پہنچ کر انسان کو اس آیت کریمہ (الاحزاب : ۷۳) کی سمجھ آتی ہے جس میں خدا تعالیٰ حضور کی بلند ہمتی اور صبر و استقامت کے بارہ میں فرماتا ہے کہ: ''ہم نے کامل امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تھا لیکن اس کے اٹھانے سے انہوں نے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے لیکن انسان کامل محمد ﷺ نے اسے اٹھا لیا (اگرچہ وہ اس کی طاقت سے باہر تھا)۔ وہ یقیناً اپنے نفس کے جذبات کی مخالفت کرنے والا، خواہشات کو دبانے والا، نفس پر سختی کرنے والا اور عواقب سے لاپرواہ تھا۔ یعنی صبر و استقامت کے بلندترین مقام پر فائز تھا۔

سفر طائف کے بعد حضور واپس مکہ تشریف لے آئے۔ اہل مکہ نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی طرح حضورؐ اور صحابہ کو سکون نہیں لینے دیں گے اس لئے مظالم کرتے چلے گئے اور حضور صبر و استقامت کا مجسمہ بن کر دعوت الی اللہ کے کاموں اور دعاؤں میں لگے رہے اور دشمن کی تکالیف کے مقابلہ میں درگزر اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے رہے۔

سن ۱۰ نبوی کو واقعہ اسراء پیش آیا جس کا سورۃ بنی اسرائیل میں ذکر ہے حضور نے عالم کشف میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف سفر فرمایا اور تمام انبیاء اولین و آخرین کی امامت کروائی۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے مرکز اسلام کے ایک ایسی جگہ تبدیل کرنے کی طرف اشارہ تھا جہاں سے اسلام کو عالمگیر غلبہ حاصل ہونا تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنی تبلیغ میں اور وسعت پیدا کر دی۔ حضور نے حج کے موقعہ پر دن اور رات منیٰ اور عرفات میں اور اشہر حرم کے باقی ایام میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے تجارتی میلوں پر اور مکہ کے اردگرد کی آبادیوں میں تشریف لے جاکر بڑی تیزی سے مختلف عرب قبائل کو اسلام کا پیغام پہنچایا۔ معاندین پیچھا کرتے اور حضورؐ کے پیغام کا اثر زائل کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن حضورؐ ان کی مزاحمت کئے بغیر اپنے کام میں لگے رہے حتی کہ سن ۱۱ نبوی میں حج کے موقع پر یثرب سے آئے ہوئے چھ سات آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ انہوں نے واپس جا کر تبلیغ کی اور سن ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر رات کے وقت یثرب کے بارہ آدمیوں نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی اور سن ۱۳ نبوی میں انہی ایام میں یثرب کے مزید ۷۲ مردوں اور دو عورتوں نے مکہ والوں سے چھپ کر بیعت کی اور حضور کو صحابہ سمیت یثرب ہجرت کرنے کی پیشکش کی جسے حضور نے برعایت اذن الٰہی قبول فرمایا۔ اس کے جلد ہی بعد مسلمان گھرانے ایک ایک دو دو کر کے مکہ سے یثرب ہجرت کرنے لگے۔

جب کفار مکہ کو علم ہوا کہ شکار ان کے ہاتھوں سے نکلا جارہا ہے تو انہوں نے مشورہ کر کے ہر قبیلے کے ایک ایک آدمی کو ساتھ ملایا اور ازلی و ابدی روحانی زندگی والے نبی کو قتل کرنے کا شرمناک منصوبہ بنایا اور حضور کے گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضور کو دشمنوں کے اس خطرناک منصوبے سے آگاہ کر دیا اور یثرب ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر حضور کو دشمن کے بدارادوں سے محفوظ رکھا اور حضور یثرب ہجرت فرما گئے جو حضورؐ کی آمد پر مدینۃ الرسول اور بعد میں مدینہ مشہور ہو گیا۔

مکہ میں تیرہ سال جس ضبط اور صبر و استقامت کا نمونہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ نے پیش کیا اسکی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے رہے لیکن صبر کا دامن نہ چھوٹا اور لطف تو یہ ہے کہ کسی شخص نے بھی مصائب و مشکلات سے ڈر کر ارتداد کی راہ اختیار نہ کی۔ یہ وہی لوگ تھے کہ جب جہاد بالسیف کی اجازت ملی تو چند سالوں میں انہوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ کر رکھ دئے۔ اس لئے تیرہ سال جو ظلم سہے گئے وہ کسی کمزوری یا ڈر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مقابلے کی اجازت نہیں دی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی تیرہ سالہ زندگی جو مکہ میں گزری اس میں جس قدر مصائب اور مشکلات آنحضرت ﷺ پر آئیں ہم تو ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ دل کانپ اٹھتا ہے جب ان کا تصور کرتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی عالی حوصلگی، فراخ دلی، استقلال اور عزم و استقامت کا پتہ لگتا ہے۔ کیا کوہ وقار انسان ہے کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے پڑتے ہیں مگر اس کو ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتے۔ وہ اپنے منصب کے ادا کرنے میں ایک لمحہ سست اور غمگین نہیں ہوا۔ وہ مشکلات اس کے ارادے کو تبدیل نہیں کر سکتیں۔ بعض لوگ غلط فہمی سے کہہ اٹھتے ہیں کہ آپ تو خدا کے حبیب مصطفیٰ اور مجتبیٰ تھے پھر یہ مصیبتیں اور مشکلات کیوں آئیں؟ میں کہتا ہوں کہ پانی کے لئے جب تک زمین کو کھودا نہ جاوے، اس کا جگر پھاڑا نہ جائے وہ کب نکل سکتا ہے۔ کتنے ہی گز گہرا زمین میں کھودتے چلے جائیں تب کہیں جا کر خوشگوار پانی نکلتا ہے جو مایۂ حیات ہوتا ہے''۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸)

اسی طرح اللہ کی خاطر صبر و استقامت کے نہایت عالی شان نتائج کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ایک زمانہ تک ہمارے سید و مولیٰ نبی ﷺ نے کفار نابکار سے کیا کچھ اپنے نام سنے اور ان پر کس قدر بے جا تہمتیں افتراء وغیرہ کی لگائی گئیں لیکن چونکہ وہ سچے تھے اور خدا ان کے ساتھ تھا اس لئے آخرکار مخفی نہ رہ سکے۔ اور آسمان نے بڑی قوت کے ساتھ ان نوروں کے ظاہر کرنے کے لئے جوش مارا تو تب سب مکذب ایسے نابود ہوئے اور لپیٹے گئے جیسے کوئی کاغذ کا تختہ لپیٹ دیوے''۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۹۷)

وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور حضرت عیسیٰ اور آپ کے حواری بھی ایک خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ سینٹ پال کے اثر کے تحت رومن علاقے میں تثلیث کا آغاز ہوا۔ خدا کی وحدانیت ایک ایسی چیز ہے جس کے خلاف حضرت عیسیٰ نے کچھ نہیں کہا۔ ہمارے مطابق روح القدس انسان کی وہ Quality ہے جو خدا کی طرف سے آتی ہے۔ اور ہر چیز کی روح اور مغز ہے۔ شیطان ایک بیرونی قوت ہے جو انسان کو خدا کے خلاف اور اس سے دور ہونے کی طرف کھینچتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے "شیطان ہر انسان کی رگوں میں دوڑتا ہے"۔ صحابہؓ نے پوچھا، یارسول اللہ کیا آپ کی رگوں میں بھی ؟ آپ نے فرمایا، ہاں میری رگوں میں بھی لیکن میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے۔ اس لئے جب روح submit کر جاتی ہے تو وہ روح القدس بن جاتی ہے۔

حضور نے فرمایا ایک بیرونی شیطان بھی ہوتا ہے ابلیس نے خدا کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ کیا یہ سپرٹ تھی یا انسان تھا۔ حضور نے فرمایا میرے خیال میں وہ انسان تھا کیونکہ جواب میں اس نے کہا کہ تم نے آدم کو مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے وہ تمام لوگ جو باغی ہیں وہ آگ کا مزاج رکھتے ہیں اور گیلی مٹی سے پیدا کردہ انسان کو آگ سے جلا کر تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے کہا کہ آدم کا فرمانبرداری کا نظام باقی رکھا جائے گا۔

☆...... قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سیاروں میں بھی زندگی ہے کیا ان کا ملنا سوسائٹی کے لئے فائدہ مند ہوگا ؟۔ حضور انور نے فرمایا کہ ایک دن وہ ملیں گے اور یہ فائدہ منداس طرح سے ہوگا کہ یہ Event ثابت کرے گا کہ خدا ایک ہے۔ اور وہ سب Planets کا خالق ہے۔ اسلئے انسان زندگی کو Monopolise نہیں کر سکتا۔ اور سائنس دان یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ زندگی حادثاتی ہے یا کسی مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اسلئے ایک واحد خدا کی تھیوری پر زیادہ شہادت مل جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کیسے ہوگا۔ اگر Life دوسرے Planets سے سفر کرے تو کئی Light Years کی ضرورت ہوگی اور کھانے کا سامان لے کر سفر کرنا ممکن ہوگا اس لئے قرآن مجید کا ارشاد بذریعہ Communication ممکن ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایسے Communication ضرور تم تک پہنچیں گے۔ اور وہ کئی طرح فائدہ مند ہونگے۔ خدا کی ہستی کا بھی ثبوت ہوگا اور اور کئی فوائد ہونگے اور ایک اچھا event ہوگا۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل سوالات بھی کئے گئے :

☆...... آنحضرت ﷺ کی زندگی کا کونسا واقعہ سب سے بڑا معجزہ کہلا سکتا ہے ؟ ☆...... آج کل خاندان عام طور پر بٹ رہے ہیں اور Family Unit منقسم ہو رہی ہیں۔ اس بارے میں حضور انور کی کیا رائے ہے ؟ ☆...... فرشتے کیا ہیں اور آپ ان کو کیا سمجھتے ہیں ؟ ☆...... شیطان خدا کا مدمقابل (Adversery) کس طرح ہو گیا ؟ ☆...... جنت اور دوزخ کا تصور کیا ہے ؟۔

سوموار، ۱۳ر جولائی ۱۹۹۸ء :

آج حضور انور کے ساتھ ۴ر مارچ ۱۹۹۶ء کو ریکارڈ کی گئی ہومیوپیتھی کلاس نمبر ۴۳ دوبارہ نشر کی گئی۔

منگل ۱۴ر جولائی ۱۹۹۸ء :

آج ترجمۃ القرآن کلاس نمبر ۲۵۷ جو سورۃ الجاثیہ کی آیت نمبر ۱۳ سے شروع ہوئی ریکارڈ اور براڈ کاسٹ کی گئی۔ حضور انور نے فرمایا یہاں ایام اللہ سے مراد خدا کی پکڑ کے دن ہیں۔ چونکہ پکڑ کے دن پر ایمان نہیں اس لئے شرارتوں پر شیر ہو جاتے ہیں۔ آیت نمبر ۱۷ میں بنی اسرائیل کو الکتاب اور الحکم اور النبوۃ کے عطا ہونے کا ذکر ہے۔ الحکم کے دو معنی ہیں یعنی حکمت اور حکومت اور حضرت داؤدؑ کو یہ دونوں باتیں عطا کی گئیں۔ اور پھر حکومت کے ساتھ نبوت کو بھی جوڑ دیا گیا۔ آیت نمبر ۱۸ میں الامر سے مراد شریعت ہے۔ آیت نمبر ۲۲ میں ایک فرقان کا ذکر ہے جو مومنین اور فاسق و فاجر لوگوں میں تفریق کرتا ہے۔ فاسق فاجر لوگوں کا معاشرہ بدیوں سے بھر جاتا ہے جبکہ مومنوں کے معاشرہ میں برائیوں سے دور رہنے کا رجحان ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ آیت نمبر ۲۴ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اعتراض اٹھائے جاتے ہیں۔ جو بھی اپنے وجود اور اپنی خواہشات کو معبود بنائے گا اس کا گمراہ ہونا ضروری ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا اور اگر انہیں سچائی سنائی اور دکھائی جائے تو نہ وہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔

بدھ، ۱۵ر جولائی ۱۹۹۸ء :

آج حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ ترجمۃ القرآن کلاس نمبر ۲۵۸ منعقد ہوئی جس کا آغاز سورۃ الاحقاف سے ہوا۔ جس کی آیت نمبر ۴ پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور انور نے فرمایا کہ اس آیت میں آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ اور ایک مدت مقررہ تک پیدا کئے جانے کا ذکر ہے۔ حضور نے فرمایا کہ حق ازلی اور ابدی ہے اسے مٹایا نہیں جاسکتا۔ مگر ان چیزوں کی پیدائش یہ وہ حق نہیں جو ہمیشہ رہے گا۔ ان کی تخلیق کے وقت ہی خدا کا ارادہ انہیں ایک مقررہ مدت تک کے لئے پیدا کرنے کا تھا اس لئے جہاں حق کا ذکر فرمایا کہ ان چیزوں کے پیدا کرنے کا ایک برحق مقصد ہے۔ یہ باطل پیدا نہیں کی گئیں وہاں ساتھ اجل مسمّٰی کا بھی ذکر فرمایا۔

آیت نمبر ۶ میں وَھُم عَن دُعَائِھِم غَافِلُون کے دو معنے ہو سکتے ہیں کہ مشرک لوگ اس بات سے غافل ہیں کہ وہ کن کو اور کیوں پکار رہے ہیں۔ اور وہ جن کو پکارا جا رہا ہے وہ ان مشرکوں کی پکار سے غافل ہیں یعنی پکارنے والے اور پکارے جانے والے دونوں ہی ایسی پکار سے غافل ہیں۔ آج کی کلاس آیت نمبر ۲۷ پر ختم ہوئی۔

جمعرات، ۱۶ر جولائی ۱۹۹۸ء :

آج ۵ر مارچ ۱۹۹۶ء کی ریکارڈ کی گئی ہومیوپیتھی کلاس نمبر ۴۴ نشر مکرر کے طور پر دکھائی گئی۔

جمعۃ المبارک، ۱۷ر جولائی ۱۹۹۸ء :

فرنچ بولنے والے احباب کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ملاقات کا پروگرام جو ۱۳ر جولائی ۱۹۹۸ء کو ریکارڈ کیا گیا تھا آج براڈ کاسٹ کیا گیا۔ مختصر کارروائی درج ذیل ہے :

☆...... حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مختلف زبانوں میں الہام ہوئے مثلاً انگریزی میں جسے آپ خود نہیں سمجھتے تھے۔ کیا آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی ایسا ہوا؟ حضور نے فرمایا، عربی زبان میں جس میں قرآن مجید نازل ہوا اُمّ الاَلسِنہ ہے جو تمام زبانوں کی ماں ہے تو اس طرح دونوں کا ملاپ ہے۔ آنحضرتؐ کے ایک فارسی الہام کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حضور نے اسکا بھی ذکر فرمایا۔

☆...... قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بیسویں صدی میں سائنس ترقی کرے گی اور بہت اہمیت اختیار کر لے گی اور زمین ایسے راز بتائے گی گویا کہ وہ بول رہی ہے تو آئندہ صدی میں سائنس کی کیا اہمیت ہوگی ؟ حضور انور نے فرمایا قرآن مجید نے بہت سی پیشگوئیاں کی ہیں جو ابھی تک نہیں سوچا جاسکتا کہ کیسے پوری ہونگی۔ جن کا ذکر میں نے اپنی حال میں شائع ہونے والی کتاب میں کیا ہے۔ آپ اسے ضرور پڑھیں۔ اس age کے بعد ایک اور قسم کی مخلوق پیدا کی جائے گی جو Better Behaved اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور پرستش کے لحاظ سے بہتر ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں کروڑوں سال لگ جائیں۔

☆...... آنحضرت ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے لئے کوئی خاص حقوق نہ تھے تو حضرت خدیجہؓ کیسے اتنی بڑی تاجرہ بن گئیں ؟ حضور انور نے فرمایا خواتین تاجر تو ہوتی تھیں لیکن کوئی حقوق نہ رکھتی تھیں۔ مثلاً اگر کوئی تاجر عورت کسی چیف کی بیوی ہوتی تو اس کی دولت پر مرد کا قبضہ ہوتا تھا اور لڑکیوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا گویا مرد ان کی زندگی کے بھی مالک ہیں اور ان سے جو چاہیں سلوک کریں کوئی سوسائٹی میں انہیں کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔

☆...... کیا عمرہ کرنے والے پر حج کرنا لازم ہو جاتا ہے ؟ فرمایا نہیں، لازم نہیں۔

☆...... حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تم مجھ سے واقعی محبت کرتے ہو تو غربت کے لئے تیار رہو۔ کیونکہ مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف غربت تیزی سے بھاگ کر آتی ہے ؟ حضور انور نے حدیث کے اصل الفاظ پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا اور پھر فرمایا کہ لفظ فقر جو اس حدیث میں استعمال ہوا ہے اس کے معنے غربت نہیں بلکہ عجز کی حالت ہے۔ اس عاجزی سے انبیاء نبوت حاصل کرتے ہیں۔

☆...... مخلوق کی محبت کے بغیر خدا سے محبت نہیں ہو سکتی تو مخلوق سے کس طرح محبت بڑھائیں کہ خدا کی محبت ترقی کرے ؟۔ فرمایا انسان کی سرشت میں ego غالب رہتا ہے۔ اس لئے اپنے ego کو اس طرح Develope کریں جو دوسروں کو اپنی طرف کھینچے، ان کا احساس رکھے، ان کی تکلیف کو محسوس کرے اور یہ Commonality کے طور پر کام کرے۔ اسی طرح دعا کریں کہ اے خدا مجھے توفیق دے کہ میں تجھ سے اور تیری مخلوق سے محبت کروں۔

☆...... علامہ جلال الدین رومی ایک درویش ولی تھے۔ حضور انور ان کے فلسفے کے بارے میں کچھ بتائیں۔ حضور انور نے فرمایا کہ جلال الدین رومی ایک بہت بڑے مشہور صوفی تھے۔ وہ Alligories پر یقین رکھتے تھے یعنی الفاظ کچھ استعمال کرنے اور معنی کچھ اور مراد لینے۔ اس لئے ان کے پیروکار انہیں سمجھ نہ سکے۔ اس لئے مثنوی روم میں آپ ایسے معنی پائیں گے جو Abhorring ہیں لیکن ان میں گہرے معنی پائے جاتے ہیں اس لئے انہیں سمجھنے کے لئے ان کی شخصیت کو resurrect کرنا ہوگا۔

☆...... بعض علماء کے خیال میں قرآن مجید کا دوسری زبانوں میں ترجمہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیا اس بارہ میں آنحضرت ﷺ کی کوئی ہدایت ہے ؟ حضور نے فرمایا، نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کا سمجھنا ضروری ہے اس لئے ہم احمدی اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ ترجمے کے ساتھ قرآن مجید کا Text لکھا جائے۔ کیونکہ اگر ترجمہ نہ ہو تو پیغام کس طرح ملے گا۔ اور الفاظ کے معنی عربی ڈکشنری کے مطابق صحیح ہونے چاہئیں۔

☆...... نماز کے آخر میں السلام علیکم کیوں اور کن لوگوں کو کہتے ہیں ؟ حضور انور نے فرمایا کہ خدا سے ملاقات کے بعد جن لوگوں کی طرف واپس آتے ہیں انہیں السلام علیکم کہتے ہیں۔ امن اور سلامتی ہی عبادت کا مرکزی نقطہ ہے۔ اگر آپ نے یہ مرکزی امن کا پیغام خدا سے حاصل کرنے کے بعد لوگوں کو نہ پہنچایا تو نماز کا کیا فائدہ۔

☆...... میں کیتھولک تھا اور اب احمدی ہوا ہوں۔ حدیث کے مطابق جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے تو اس صورت میں جبکہ ماں کیتھولک ہیں تو میرا کیا ہوگا۔ حضور نے فرمایا جنت نیک ماؤں کے قدموں کے نیچے ہوگی۔ حضور نے مثال دے کر اس مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائی۔

☆...... آج کل سکولوں میں بچوں کو بدنی سزا دینے پر بحث چل رہی ہے اسلام کا کیا خیال ہے ؟ حضور نے فرمایا کہ بدنی سزا ان مجرموں کو ملنی چاہئے جو معافی سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اگر معافی جرم کو بڑھاتی ہے اور آپ معاف کرتے ہیں تو آپ جرم کو بڑھانے والے ہیں۔

(امتہ المجید چوہدری)

☆......☆......☆

نجم الہند، بانی دار العلوم علی گڑھ
سر سید احمد خان، کے سی ایس آئی
اور
حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام
(تاریخی حقائق اور شواہد کی روشنی میں)

مرزا خلیل احمد قمر ربوہ

برصغیر کے نامور سیاسی اور سماجی لیڈر اور معروف دانشور جناب سرسید احمد خان ، بانی علی گڑھ تحریک کی امسال صدسالہ برسی منائی جا رہی ہے۔ چونکہ سرسید احمد خان کا رابطہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے بھی ہوا۔ اور حضور علیہ السلام نے سرسید احمد خان کا ذکر اپنی کتب میں مختلف مواقع پرفرمایاہے اس پہلو سے مکرم مرزا خلیل احمد صاحب قمر نے سر سیداحمد خان کے بعض نظریات اور ان پر حضور علیہ السلام کے تبصرہ اور آپ کے دیگر متعلقہ فرمودات کو ذیل کے مضمون میں پیش کیا ہے جو امید ہے قارئین الفضل کے لئے دلچسپی اور ازدیاد علم کا باعث ہوگا---- (ادارہ)

انیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی برصغیر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ ہندوستان میں بسنے والی اقوام اسلام کو مردہ مذہب قرار دے کر اس پر چیلوں کی طرح منڈلانے لگیں اور ایک ایک کر کے اس کے اعضاء کو نوچ لینے کے درپے تھیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کو ختم کر کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حکومت کو دہلی کے لال قلعے تک محدود کر رہی تھی۔ دوسری طرف پادری ہندوستان کو عیسائیت کا گڑھ بنانے کے لئے سوجتن کر رہے تھے۔ کہیں مشنری تعلیمی ادارے کھولے جا رہے تھے، کہیں غریب ہندوستانیوں کے لئے ڈسپنسریاں، ہسپتال اور گشتی شفاخانے اور غریبوں یتیموں کے لئے یتیم خانے قائم کئے جا رہے تھے اور عیسائی پادری پوری طاقت اور ہر قسم کے حربوں سے مسلح ہو کر ہندوستان بھر سے اسلام کو نابود کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ ادھر ہندوستان کا ہندو مذہب جو اپنے قدیمی مت ہونے کا دعوے دار تھا اور ایک ہزار برس تک مسلمانوں کا محکوم رہنے کے بعد انگڑائی لے رہا تھا جسے درپردہ انگریز حکومت کی بھی حمایت حاصل تھی وہ بھی وید کو دنیا کے لئے نجات دہندہ ثابت کرنے کے لئے میدان میں اتر آیا تھا۔ ہندوؤں کے اندر بھی اصلاح کے لئے کئی زبردست تحریکوں نے جنم لیا۔ جن کی دو اغراض تھیں۔ ایک ہندوؤں کے اندر بیداری پیدا کرنا اور ماضی سے تحریک پا کر ہندوستان میں ہندو اقتدار کا احیا جو ایک برس سے رکا ہوا تھا۔ دوسرے ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ باور کرانا تھا کہ وہ ان کے معاشرہ کا حصہ ہیں اور اسلام کے اقتدار سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے ہیں۔ یا ہندوستان پر جو حملہ آور ہوئے اور یہاں آکر بس گئے ہیں ان کو ہندو بنانا اور یوں ہندوستان کو مسلمانوں سے پاک کر دینا تھا۔ غرضیکہ عیسائیت اور ہندو مت ہندوستان کے پسماندہ، غریب اور مفلوک الحال مسلمانوں کو جو سیاسی، معاشی، تمدنی، تعلیمی اور مذہبی پسماندگی کے عمیق گڑھوں میں دھکیل کر اپنے میں سمیٹنے کے لئے ہر حربہ استعمال کر رہے تھے اور یوں ہندو اپنے بے شمار دیوی دیوتاؤں کی پرستش کروا کر ہندوستان سے اسلام کے واحد و یگانہ خدا کو نابود کر دینے کے درپے تھے اور عیسائیت اپنے تین خداؤں کو پیش کر کے ہندوستان بھر میں تثلیث کا جھنڈا گاڑ دینے کی دعویدار تھی۔ اور یوں ہندوستان بھر سے خدائے واحد و یگانہ کی توحید اور پرستش ختم کرنے کی سکیمیں بروئے کار لائی جا رہی تھیں۔

جب بھی دنیا میں گمراہی اور ضلالت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو دنیا کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نبی مبعوث کرتا ہے تا کہ اس کے بندے پھر اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان کر اس کی طرف لوٹ آئیں۔ اسی سنت اللہ کے مطابق نبی کی بعثت اور اس کے دعویٰ نبوت سے قبل کی زندگی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی پیدائش کے بعد اس کی تربیت اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے اور اپنے بندے کے دل میں توحید الٰہی ایک مضبوط میخ کی طرح گاڑ دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ جو کام بھی کرتا ہے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کرتا ہے غرضیکہ اس کے تمام طور طریقے اس زمانہ کے دیگر لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور ان کے لئے اخلاق حسنہ کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اسی قدیم سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی تربیت ایسے طور پر فرمائی اور آپ کی پاکیزہ فطرت اور عمدہ عادات و خصائل کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ جس شخص نے بھی آپ کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھا وہ آپ کا والہ و شیدا ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ کے پاس گئے اور اس وقت حضور ابھی بچہ ہی تھے۔ اس مجلس میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں باتوں باتوں میں مولوی غلام رسول صاحب نے جو ولی اللہ و صاحب کرامات تھے فرمایا کہ: ”اگر اس زمانہ میں کوئی نبی ہوتا تو یہ لڑکا نبوت کے قابل ہے“

انہوں نے یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہی۔ مولوی برہان الدین صاحب کہتے ہیں کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا۔

(حیات طیبہ صفحہ ۱۱ از مولانا شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگر مل)

حضرت اقدس سن شعور سے کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت اور اسلام کی دیگر کتب کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ آپ ہمیشہ مشرکانہ عقائد کے خلاف سینہ سپر رہے۔ اسلام کی دیگر مذاہب پر برتری ثابت کرنا ہمیشہ آپ کا مشغلہ رہا۔ آپ کو قرآن مجید سے اس قدر شغف تھا کہ شمس العلماء سید میر حسن صاحب جو علامہ سر محمد اقبال کے استاد تھے حضرت اقدس کے بارہ میں لکھتے ہیں:

”حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پُر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے، بیٹھ کر، کھڑے ہو کر، ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی“۔ (سیرت المہدی حصہ اول طبع ثانی صفحہ ۲۷۰)

اس نازک دور میں جب دیگر مذاہب اسلام پر حملہ آور تھے اور اسلام کو ایک مردہ مذہب قرار دینے پر مجبور کر رہے تھے مولانا حالی نے اپنی مسدس ”مدوجزر اسلام“ میں اسلام کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
فقط رہ گیا اسلام کا نام باقی

حضرت مرزا صاحب اسلام کی یہ حالت دیکھتے تو بہت دعائیں کرتے اور ساتھ ساتھ پادریوں اور آریہ سماج کے ساتھ نہایت کامیاب مباحثات کرتے۔ حضور مختلف مذاہب کی کتب کا کثرت سے مطالعہ فرماتے اور ان کی کتب سے ہی ان کے باطل عقائد کا رد فرماتے۔ ان ایام کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سید میر حسن صاحب لکھتے ہیں:

”مرزا صاحب کو اس زمانہ میں مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا۔ ایک دفعہ پادری الائشہ صاحب سے جو دیسی عیسائی پادری تھے اور حاجی سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں ایک کوٹھی میں رہا کرتے تھے مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ نجات کی کیا تعریف ہے؟ اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں مفصل بیان کیجئے۔ پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہا کہ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔

پادری بٹلر صاحب ایم اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔ یہ صاحب موضع گوید پور کے قریب رہتے تھے ایک دفعہ صاحب فرماتے تھے کہ مسیح کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ سرّ تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھے بری رہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے۔ پھر آدم کی شرکت سے بریت کیسی؟ علاوہ ازیں عورت ہی نے آدم کو ترغیب دی۔ جس سے آدم نے درخت ممنوع کا پھل کھایا اور گنہگار ہوا۔ پس چاہئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی بری رہتے۔ اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے“۔

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۱۵۴)

قیام سیالکوٹ کے دوران آپ کا دیگر مذاہب کے ماننے والے افراد سے تبادلہ خیالات جاری رہا۔ آپ کے دوستوں میں مولانا سید میر حسن صاحب، ان کے چھوٹے بھائی سید عبدالغنی صاحب، حکیم حسام الدین صاحب، منشی غلام قادر فصیح صاحب، سید حامد علی شاہ صاحب اور بھیم سین وغیرہ تھے۔ انہی دنوں برصغیر پاک و ہند کے نامور مسلمان لیڈر اور پولیٹیکل مصالح شناس راہنما سر سید احمد خان صاحب بانی دار العلوم علیگڑھ کی تفسیر قرآن ان کے اپنے رسالے ”تہذیب الاخلاق“ میں قسط وار شائع ہو رہی تھی۔ جس میں موجودہ زمانہ کے سائنسی اور عقلی اعتراضات کو مد نظر رکھتے ہوئے سر سید احمد خان صاحب مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور مسلمانوں کا جید تعلیم یافتہ طبقہ اس تفسیر سے بہت متاثر ہو رہا تھا۔ سر سید احمد خان صاحب برصغیر ہندوستان کی سطح کے وہ پہلے مسلمان راہنما تھے جن کے ساتھ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بذریعہ خط و کتابت رابطہ کیا۔ حضرت مرزا صاحب کی سید احمد خان صاحب کے ساتھ خط و کتابت کے بارے میں شمس العلماء سید میر حسن صاحب لکھتے ہیں:

”چونکہ مرزا صاحب پادریوں کے ساتھ مباحثہ کو بہت پسند کرتے تھے اس واسطے مرزا شکستہ تخلص نے...... مراد بیگ نام جالندھر کے رہنے والے تھے مرزا صاحب کو کہا کہ سید احمد خان صاحب نے تورات و انجیل کی تفسیر لکھی ہے۔ آپ ان سے خط و کتابت کریں اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سر سید کو عربی میں خط لکھا...... اس سال سر سید خانصاحب غفرلہ نے قرآن مجید کی تفسیر شروع کر دی۔ تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آچکی تھی۔ جب میں اور شیخ اللہ داد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے تو اثنائے گفتگو سر سید صاحب کا ذکر شروع ہوا۔ اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آگیا راقم نے کہا کہ تین رکوع کی تفسیر آگئی ہے جس میں دعا اور نزول وحی کی بحث آگئی ہے۔ فرمایا: ”کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں“۔ جب دوسرے دن وہاں گئے تو تفسیر کے دونوں مقام آپ نے سنے اور سن کر خوش نہ ہوئے اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۱۵۴ از صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے)

سیالکوٹ سے واپسی پر حضرت مرزا صاحب شب و روز دعوت اسلام میں مصروف ہو گئے جو مسلمان

آپ کے پاس آتا اسے آپ اسلام کی تبلیغ کرتے اگر کسی طرف سے اسلام پر کوئی اعتراض ہوتا تو آپ اس کا جواب دیتے۔ آپ کا یہ طریق تعلیم اور تقریر اور تحریر تینوں رنگوں میں جاری تھا۔ آپ اپنے غیر مسلم دوستوں کو خطوط کے ذریعے دعوت اسلام دیتے اور ہمدردی اسلام رکھنے والے مسلم لیڈروں اور علماء کے ساتھ آپ کی خط و کتابت جاری رہتی تھی۔ جس میں اسلام اور دیگر مذاہب کے اعتراضات اور ترقی اسلام کے امور کا ذکر ہوتا۔

اخوت اسلام رکھنے والے

سر سید احمد خان سے حضور کے تعلق کا دوسرا ذکر قریباً دس سال بعد آتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ ہندو مذہب میں زندگی کی ایک لہر آریہ سماج کے نام سے اٹھی اور دیکھتے دیکھتے ہندو مسلمان اور عیسائی بھی اس کے ممبر بننے لگے۔ آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہندو مت کے بنیادی مباحثہ کی دعوت دی۔ اور ان کے عقائد کو وید کی رو سے غلط قرار دیا۔ پنڈت صاحب خود تو آخری دم تک مباحثہ کے لئے آمادہ نہ ہوئے البتہ امرتسر کے ایک وکیل باوا نرائن سنگھ نے لاہور کے اخبار "آفتاب پنجاب" کے کالموں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بحث کا اعلان کر دیا۔

حضرت مسیح موعودؑ نے جواب کے لئے "سفیر ہند" امرتسر کے کالموں کو منتخب فرمایا۔ آپ نے ۲۳ر فروری ۱۸۷۸ء کے "سفیر ہند" میں شرائط مطلوبہ کا تفصیل سے ذکر فرمایا۔ اس میں چوتھی شرط یہ تھی:

۴۔ "شرط چہارم میں باوا صاحب نے صاحبان مندرجہ ذیل کو منصفان تنقید جواب قرار دیا ہے۔ مولوی سید احمد خاں صاحب، منشی کنہیا لال صاحب، منشی اندر من صاحب۔ مجھ کو منصفان مجوزہ باوا صاحب میں کسی نہج کا عذر نہیں بلکہ میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو انہوں نے تجویز تقرر ثالثان میں مولوی سید احمد خان صاحب کا نام بھی جو ہم سے اخوت اسلام رکھتے ہیں درج کر دیا"۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۴)

سر سید کی بعض سیاسی خدمات

آگے چلنے سے پہلے بہتر ہوگا کہ سر سید احمد خان صاحب کی خدمات کا کچھ تذکرہ کیا جائے۔ سر سید احمد خان ۱۷ر اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ سر سید نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے حاصل کی۔ عربی فارسی ریاضی اور طب کی تعلیم حاصل کی۔ مرزا غالب، آزردہ اور صہبائی جیسے باکمال ادباء کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ ۱۸۳۹ء میں بائیس سال کی عمر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کی۔ ۱۸۴۶ء تا ۱۸۵۵ء بطور منصف سب جج دہلی میں رہے۔ اس دوران اپنی مشہور کتاب "آثار الصنادید" مرتب کی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے دوران آپ بجنور میں مقیم تھے۔ ہنگامہ کے دوران سر سید احمد خان نے لاتعداد انگریز مردوں اور عورتوں کو پناہ دے کر ان کی جانیں بچائیں۔ اسکے صلہ میں انگریزوں نے انہیں ضلع کا حاکم مقرر کر دیا۔ سر سید احمد خان صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اور "اسباب بغاوت ہند" کے نام سے رسالہ تحریر کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی ایک کتاب میں مسئلہ جہاد پر روشنی ڈالی اور انگریزوں کو مسلمانوں کے قریب کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانہ میں ان کو خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جو اختلافات بڑھتے جاتے ہیں اور جس کو عیسائی پادریوں کی دریدہ دہنی اور نامناسب حرکات نے اور اشتعال دلایا ہے ان کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ آپ نے عیسائیوں اور مسلمانوں کو قریب لانے کے لئے انجیل کی تفسیر لکھی۔ یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو سر سید احمد خان نے انگلستان کا سفر اختیار کیا اور مسلمانوں کی پستی اور انگریز کے عروج کا موازنہ کیا۔ وہ زمانہ انگریز کے عروج کا زمانہ تھا۔ بقول سید اصغر علی شاہ جعفری انگلستان کے سفر نے انہیں احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔

(تحریک پاکستان کا پس منظر صفحہ ۵۶)

اس دورے کے نتیجہ میں سر سید مغربی فلسفہ سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ انہوں نے اسلام کو بھی مغربی فلسفہ کے مطابق ڈھالنا شروع کیا اور اسلام کا مطالعہ مغربی فلسفہ کی عینک سے شروع کر دیا۔

سر سید نومبر ۱۸۷۰ء میں انگلستان سے واپس آئے اور انہوں نے ہندوستان کے حالات کا بغور جائزہ لیا۔ انہی دنوں ہندوستان میں ہندومت کے احیاء کے لئے برہمو سماج کا آغاز ہو چکا تھا۔ برہمو سماج کے بانی راجہ رام موہن رام ۱۷۷۲ء میں رادھا نگر میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی زبان پر مہارت کی وجہ سے "مولوی رام موہن رام" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ راجہ صاحب اسلامی توحید سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے اسلام اور عیسائیت کا نہایت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ بُت پرستی کے خلاف "تحفة الموٰاحدین" کے نام سے فارسی زبان میں ایک رسالہ لکھا۔ برہمو سماج کی تحریک کا آغاز ۲۰ر اگست ۱۸۲۸ء کو ہوا۔ یہ فرقہ کتب الہامیہ قرآن مجید وغیرہ کو غلطیوں سے مبرا نہیں جانتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی صفات کو معطل سمجھتے تھے۔ وحی والہام کے منکر تھے اسی طرح قیامت، دوزخ، بہشت، فرشتوں اور معجزات کے انکاری تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کی اصلاح کے لئے تعلیمی ادارے جاری کئے تا کہ ہندو تعلیم حاصل کر کے حکومت کی ملازمتیں اور عہدے حاصل کر سکیں جس سے ہندوؤں کی معاشی حالت ترقی کرتی نظر آنے لگی اور ہندو میں جو ایک ہزار سال تک محکوم رہنے کے نتیجے میں جو احساس محکومی پیدا ہو چکا تھا وہ رفتہ رفتہ دور ہونے لگا۔ یہ تھا وہ مشاہدہ اور احساس جس نے سر سید کو متاثر کیا اور آپ نے مسلمانان ہند کی ترقی کے لئے برہمو سماج کے طور طریقے اختیار کئے۔ چنانچہ ۱۸۷۵ء میں سر سید نے علی گڑھ میں دارالعلوم کی بنیاد رکھ کر مسلمانان ہند کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو انگریزوں کے قریب جانے کا موقعہ ملا۔ اور مسلمان ایک بار پھر ترقی کی منزل کی طرف رواں ہو گئے۔ مسلمان نوجوانوں کو گورنمنٹ سروس میں ملازمتیں ملنے لگیں۔ تعلیم سے ان میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ معاشی حالت بہتر ہونے لگی مگر اس کے ساتھ ہی یہ تعلیم یافتہ نوجوان نسل مغربی فلسفہ سے بہت متاثر ہوئی اور اسلام سے دور ہوتی گئی۔ مغربی تہذیب و تمدن کی چکاچوند روشنی نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ یہ نو تعلیم یافتہ نوجوان نام کے مسلمان بن کر رہ گئے۔ یہ نام اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی تھے جبکہ ان کا ذہن اور سوچ پوری طرح مغربی رنگ میں رنگے جا چکے تھے سوائے چند استثناء کے۔

سر سید کے خیالات اور براہین احمدیہ

مدرسہ علی گڑھ کی بنیاد رکھے جانے کے ۵ سال بعد ۱۸۸۰ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "براہین احمدیہ" شائع فرمائی۔ جس میں حضور نے اسلام کو اپنی اصلی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور ثابت کیا کہ اسلام کا خدا ہی زندہ خدا ہے اور وہ اپنے طالبوں کو اپنا چہرہ دکھاتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ ہی زندہ نبی ہیں۔ جن کے فیوض تا قیامت جاری ہیں اور اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے۔ "براہین احمدیہ" کی اشاعت کے زمانہ میں مادیت کا زور تھا سر سید احمد خان نے مادیت سے مرعوب ہو کر یہ نظریہ اختیار کیا کہ الہام دل سے ہی اٹھتا ہے اور دل پر ہی پڑتا ہے حالانکہ اس کے خلاف لاکھوں انبیاء اور اولیاء کا ذاتی تجربہ و مشاہدہ یہ تھا کہ الہام خارج سے آتا ہے اور وہ قلب کی آواز نہیں ہوتی بلکہ خدا کا کلام ہوتا ہے جو انسان کے قلب پر نازل ہوتا ہے۔ چند ایک مادہ پرستوں سے مرعوب ہو کر ہزار ہا راستبازوں کے تجربوں اور مشاہدوں کا سید صاحب نے انکار کر دیا۔ حضور نے براہین احمدیہ حصہ سوم میں برہمو سماج کے دس وساوس کے ازالہ کے لئے حاشیہ نمبر ۱۱ صفحہ ۱۵۰ تا ۳۱۲ تحریر فرمائے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ اپنے ایک معتقد میر عباس علی صاحب کے نام اپنے خط محررہ ۸ر نومبر ۱۸۸۲ء میں تحریر فرماتے ہیں:

"حصہ سوئم کتاب براہین احمدیہ میں جو دس وساوس کا بیان ہے وہ آریہ سماج والوں کے متعلق نہیں ہے ...... لیکن دس وساوس جو حصہ سوئم میں لکھے گئے ہیں وہ برہمو سماج والوں کا رد ہیں۔ یہ ایک اور فرقہ ہے جو کلکتہ اور ہندوستان کے اکثر مقامات میں پھیلا ہوا ہے۔ اور لاہور میں بھی موجود ہے۔ یہ لوگ کتب الہامیہ کا انکار کرتے ہیں اور اگرچہ ہندو ہیں مگر وید کو نہیں مانتے نہ اس کی تعلیم کو عمدہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ آریہ سماج والوں کی نسبت بہت ذی علم اور دانا ہوتے ہیں۔ اور کئی اصول ان کے اسلام سے ملتے ہیں مثلاً یہ تناسخ کے قائل نہیں، بت پرستی کو برا سمجھتے ہیں، خدا کو صاحب اولاد اور متولد ہونے سے پاک سمجھتے ہیں مگر کتب الہامیہ کے منکر ہیں اور الہام صرف ایسی باتوں کا نام رکھتے ہیں جن کو انسان خود عقل یا فکر کے ذریعہ سے پیدا کرے یا معمولی طور پر اس کے دل میں گزر جائیں اور انبیاء کی متابعت کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف عقل کو کافی قرار دیتے ہیں۔ الہام ربانی سے انکار کرنا ان کا ایک مشہور اصول ہے۔ جیسا کہ رسالہ برادر ہند میں جو پنڈت شیو نرائن کی طرف سے شائع ہوتا تھا، چھپتا رہا ہے۔ چونکہ ہندوستان میں ان کی جماعت بہت پھیل گئی ہے اور ان کے وساوس کے ضرر کا نو تعلیم یافتہ لوگوں پر بہت اثر پہنچتا ہے اور پہنچ رہا ہے اس لئے ضرور تھا کہ ان کا رَدّ لکھا جاوے اور ان کا کتب الہامیہ سے انکار کرنا ایسا جزو مذہب ہے جیسا کہ ہمارا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ غرض آریہ سماج ایک الگ فرقہ ہے جو بہت ذلیل اور ناکارہ خیال رکھتا ہے اور وہ عقل کے پابند نہیں۔ بلکہ صرف وید پر چلتے ہیں اور بہت واہیات اور مزخرفات کے قائل ہیں۔ مگر برہمو سماج کا فرقہ دلائل عقلیہ پر چلتا ہے اور اپنی عقل ناتمام کی وجہ سے کتب الہامیہ کا منکر ہے۔ چونکہ انسان کا خاصا ہے جو معقولات سے زیادہ اور جلد تر متاثر ہوتا ہے۔ اسلئے اطفال مدارس اور بہت سے نو تعلیمیافتہ ان کی سوفسطائی تقریروں سے متاثر ہو گئے۔ اور سید احمد خان بھی انہیں کی ایک شاخ ہے اور انہی کی صحبتوں سے متاثر ہے پس ان کے زہرناک وساوس کی بیخ کنی کرنا از حد ضروری تھا"۔

(مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۰۲)

حضور علیہ السلام میر عباس علی صاحب کے نام خط محررہ ۲۲ر جنوری ۱۸۸۳ء میں تحریر فرماتے ہیں:

"بہتوں پر اباحت اور الحاد کا غلبہ ہے کہ خدا کے وجود کو اور اس مدبر عالم کی ہستی کو کوئی مستقل شے نہیں سمجھتے بلکہ اپنے ہی وجود کو خدا سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور اسی خیال کے غلبہ سے احکام الٰہی کی تعمیل سے لکلی فارغ ہیں۔ اور شریعت حقانی کو بنظر استخفاف دیکھتے ہیں اور صوم و صلوٰۃ پر ٹھٹھا کرتے ہیں۔ ایک دوسرا فرقہ ہے جو بہشت، دوزخ، ملائکہ، شیطان وغیرہ سب سے منکر ہے اور وحی الٰہی سے انکاری ہیں باایں ہمہ مسلمان کہلاتے ہیں ...... دوسرے وہ لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو کہ شرارت اور خبث سے عقل کی بد استعمالی سے اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو علوم کی نئی روشنی کا دعویٰ کرتے ہیں اور متبعین شریعت اسلام کو کہتے ہیں کہ یہ پرانے خیالات کے آدمی ہیں اور یہ سادہ لوح اور ہم دانا ہیں۔ پس ایسے دنوں میں خداوند کریم کا یہ نہایت فضل ہے کہ اپنے عاجز بندہ کو اس طرف توجہ دی ہے۔ اور دن رات اس کی مدد کر رہا ہے تا باطل پرستوں کو ذلیل اور رسوا کرے"۔

(مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۶، ۱۷)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سر سید احمد خان صاحب کی تعلیمی اور سیاسی خدمات کے معترف تھے مگر ان کے مذہبی خیالات اور اسلام کو مغربی فلسفہ کے مطابق ثابت کرنے کے سخت خلاف تھے۔ ۱۸۸۵ء میں آپ نے دعوت نشان نمائی دی اور مجددیت و ماموریت پر سرفراز ہونے کا اعلان فرمایا۔ تمام بڑے بڑے لوگوں کو آکر نشان دیکھنے کی دعوت دی۔ آپ فرماتے ہیں:

"اگر آپ آویں اور ایک سال رہ کر کوئی آسمانی نشان مشاہدہ نہ کریں تو دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے آپ کو ہرجانہ یا جرمانہ دیا جائے گا"۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۱)

سرسید کے متعلق بعض متوحش الٰہی خبروں کا انکشاف

اسی سال نومبر ۱۸۸۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سرسید احمد خان صاحب اور راجہ دلیپ سنگھ کے متعلق متوحش خبریں بطور پیشگوئی ہندوؤں اور مسلمانوں کو سنائیں۔ پھر بعد میں ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار بھی شائع فرمایا جس میں فرمایا:

"ہم پر خود اپنی نسبت اپنے بعض جدی اقارب کی نسبت اپنے بعض دوستوں کی نسبت اور بعض اپنے فلاسفر قومی بھائیوں کی نسبت کہ گویا نجم الہند ہیں اور ایک دیسی امیر نووارد پنجابی الاصل کی نسبت بعض متوحش خبریں جو کسی کے ابتلا اور کسی کی موت و فوت اعزہ اور کسی کی خود اپنی موت پر دلالت کرتی ہیں جو انشاء اللہ القدیر بعد تصفیہ لکھی جائیں گی منجانب اللہ منکشف ہوئی ہیں اور ہر ایک کے لئے ہم دعا کرتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر تقدیر معلق ہو تو دعاؤں سے بفضلہ تعالیٰ ٹل سکتی ہے"۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۹۹،۱۰۰)

اس میں 'نجم الہند' سے مراد سرسید احمد خان صاحب تھے۔ (مکتوب سرسید صفحہ ۲۷۱)

حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق سرسیدؒ کے خیالات

مولانا سید میر حسن صاحب کے ساتھ سرسید صاحب کے دوستانہ تعلقات تھے۔ میر صاحب نے سرسید سے مرزا صاحب کے دعویٰ الہام کے بارے میں استفسار فرمایا تو سرسید احمد خانصاحب نے لکھا:

"مرزا غلام احمد قادیانی کے کیوں لوگ پیچھے پڑے ہیں اگر ان کے نزدیک ان کو الہام ہوتا ہے تو بہتر .... میں سنتا ہوں کہ آدمی نیک بخت اور نمازی اور پرہیزگار ہیں۔ یہی امر ان کی بزرگداشت کو کافی ہے"۔

(مکتوبات سرسید صفحہ ۲۹۷)

سرسید احمد خان صاحب، سید عبدالغنی صاحب (جو مولانا سید میر حسن صاحب کے چھوٹے بھائی تھے) کے نام لکھتے ہیں:

"حضرت مرزا (غلام احمد) صاحب کی نسبت زیادہ کدوکاوش کرنی بے فائدہ ہے۔ یہ ایک بزرگ زاہد نیک بخت آدمی ہیں......... ان کی عزت اور ان کا ادب کرنا سب ان کی بزرگی اور نیکی کے لازم ہے"۔

(مکتوبات سرسید صفحہ ۶۱۱)

سرسید کی تفسیر قرآن

سرسید احمد خان صاحب نے مغربی فلسفہ اور مغربی علوم سے متاثر ہو کر قرآن مجید کی تفسیر لکھی اور جگہ جگہ غلطیاں کیں اور قرآنی تعلیمات کو ایسے رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جو اسلام کے بنیادی عقائد کی نفی کر رہی تھیں۔ سرسید نے نہ صرف قبولیت دعا اور الہام اور معجزات کا انکار کیا بلکہ ملائکہ اور نبوت کے متعلق اپنی تفسیر القرآن میں غلط اجتہاد سے کام لیتے ہوئے لکھا:

☆"جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا"۔(تفسیر القرآن جلد اول صفحہ ۴۳)

☆"میں نبوت کو ایک فطری چیز سمجھتا ہوں جو انبیاء میں مقتضائے اپنی فطرت کے مثل دیگر قوائے انسانی کے ہوتی ہے۔ جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے۔(تفسیر القرآن جلد اول صفحہ ۳۱)

☆"اسی ملکہ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا جبریل نام ہے"۔(تفسیر القرآن جلد اول صفحہ ۴۲)

سرسید کی تفسیر کے بارے میں سرسید کے سوانح نگار جناب نورالرحمٰن "حیات سرسید" میں لکھتے ہیں۔

"جدید علم کلام کی ایجاد اور اس قدر وسیع و مہتم بالشان مسئلے میں ہزاروں اختلافات اور گتھیوں کو سلجھا کر ایک سیدھی اور نئی راہ قائم کرنا معمولی کام نہ تھا۔ اور نہ ایک ذات واحد کی کوششوں سے انجام پا سکتا تھا۔ اس لئے سرسید نے اپنے اجتہادات میں باوجود غیر معمولی لیاقت و قابلیت کے بے شمار غلطیاں کی ہیں اور بعض ایسی رکیک اور مہمل تاویلات پر اتر آئے ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر وہ ان طفل تسلیوں سے اپنے علمی دماغ اور تنقیدی ذوق کو مطمئن کر سکے......... لیکن اکثر مسائل ایسے بھی ہیں جہاں ان کا اجتہاد تمام دنیا سے الگ ہی ہے اور وہ تنہا ان عقائد کے حامل نظر آتے ہیں"۔

('حیات سرسید' شائع کردہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ صفحہ ۱۰۳،۱۰۵)

جناب نورالرحمٰن صاحب مزید لکھتے ہیں:

"دوسری غلطی سرسید کی یہ رائے سن لینے کے بعد ہر شخص ان کے مذہبی کاموں اور عقائد پر دوبارہ نظر ڈالنا چاہتا ہے۔ اور وہ اسباب ڈھونڈتا ہے جن کی وجہ سے سرسید نے مذہبی تصانیف میں صرف اختلافات ہی نہیں بلکہ بے شمار غلطیاں بھی کیں۔ ذاتی اجتہاد میں غلطی کا امکان ہمیشہ رہتا ہے اور وہ اس موقع پر بھی خلاف توقع نہیں لیکن ایک اور سبب بھی تھا جس نے سرسید کو بعض جگہ نہایت ہی افسوسناک غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا۔

سرسید نے انگریزی حکومت کے عروج و اقبال کے ساتھ ہی مغربی علوم کی روشنی اور چمک دیکھی تھی .... گویا وہ جدید ترقیات سے اس درجہ متاثر اور مرعوب ہو چکے تھے کہ بغیر غور و فکر کے ان کو قبول و تسلیم کر لیتے تھے۔ چنانچہ ان کے اکثر کاموں میں یہ مغرب پرستی یا اس کا غیر محسوس اثر نمایاں ہے مذہبی اجتہاد کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا کہ اول انہوں نے مغربی علم و حکمت کو حقائق سمجھ لیا اور پھر مذہب میں تاویل کی نئے اس قدر بڑھائی کہ بجائے مغربی علوم کے مذہب ہی کو جھکنا پڑا۔ مجتہدانہ حیثیت میں یہ سب سے بڑا گناہ ہے"۔ (حیات سرسید صفحہ ۱۰۷،۱۰۸)

سرسید کا یہ میلان طبع اس قدر بڑھا کہ ایک روز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محفل میں بھی اس کا ذکر آ گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

"سید احمد صاحب کے یورپ کی طرف میلان پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"انسان جس شے کی طرف پوری رغبت کرتا ہے تو پھر اس کی طرف اس کا میلان طبعی ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ مجبور ہوتا ہے"۔

(ملفوظات جلد دوم، طبع جدید، صفحہ ۳۸۲)

(باقی آئندہ شمارہ میں)

صحائف گلگت

(Gilgit Manuscripts)

(مظفر چوہدری)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ گلگت میں آئے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنی تصنیف "مسیح ہندوستان میں" میں فرماتے ہیں:

"اول وہ خطاب جو بدھ کو دئے گئے مسیح کے خطابوں سے مشابہ ہیں۔ اور ایسا ہی وہ واقعات جو بدھ کو پیش آئے مسیح کی زندگی کے واقعات سے ملتے ہیں۔ مگر بدھ مذہب سے مراد ان مقامات کا مذہب ہے جو تبت کی حدود یعنی لیہ اور لاسہ اور گلگت اور ہمس وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ جن کی نسبت ثابت ہوا ہے کہ حضرت مسیح ان مقامات میں گئے تھے.........(مسیح ہندوستان میں صفحہ ۷۲، روحانی خزائن جلد ۱۵)

پھر فرماتے ہیں:

"اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت کہ جو کشمیر کے علاقہ میں ہے یہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے۔ غالباً یہ شہر حضرت مسیح کے وقت میں بنایا گیا ہے اور واقعہ صلیب کی یادگار مقامی کے طور پر اس کا نام گلگت یعنی سری رکھا گیا.........(ایضاً صفحہ ۵۵)

ذیل کے مضمون میں گلگت کے قدیم بدھ صحائف کا تعارف مقصود ہے۔ احمدی محققین کا فرض ہے کہ ان صحائف کا مطالعہ کریں اور مفید مضامین کو سامنے لائیں۔ بطور خاص سنسکرت پڑھنے کی اہلیت رکھنے والے احباب کو توجہ فرمانی چاہئے۔

۱۹۹۶ء میں گلگت میونسپل لائبریری میں میری نظر "Gilgit Manuscripts" نامی کتاب پر پڑی جو کئی جلدوں میں بھارت سے شائع ہوئی ہے۔ اور زمانہ قبل از اسلام کے بدھ لٹریچر کی ایک اہم دستاویز ہے۔ یہ صحائف ۱۹۳۱ء میں اتفاقیہ طور پر گلگت کے ایک چرواہے نے دریافت کئے تھے۔ ان کی زبان سنکرت اور پراکرت ہے اور یہ ہندوستان کے قدیم ترین بدھ مت کے صحائف میں شامل ہیں۔ اس کی پہلی جلد میں نے فوٹو کاپی کروائی تھی جس کی مدد سے یہ مضمون تیار کیا گیا ہے۔

۱۹۳۱ء میں گلگت کے نزدیک ایک چرواہے نے ایک بدھ سٹوپے سے کئی بدھ مخطوطات دریافت کئے۔ اس سے پہلے کہ وزیر گلگت (مہاراجہ جموں و کشمیر کی طرف سے گلگت کا نگران) ان کو اپنی حفاظت میں لیتا مخطوطات اور ان کے منقش غلافوں کا ایک معتدبہ حصہ مہم جوؤں کے ہتھے چڑھ چکا تھا۔ اسے یہ پتروں کی بنڈلوں کی صورت میں ملے ان میں سے کئی ایک گم ہو چکے تھے یا انہیں نقصان پہنچ چکا تھا۔

مہاراجہ کشمیر کے حکم پر وزیر نے ان مخطوطات کو سری نگر بھجوا دیا۔ مہاراجہ نے ان کی علمی قدر و قیمت اور افادیت کے پیش نظر ان کی اشاعت کا فیصلہ کیا اور ان کو وزیر اعظم کی تحویل میں دے دیا۔

چھ سات برس تک یہ مخطوطات گورنمنٹ ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ میں مقفل رہے۔ جب دیوان بہادر گوپالا سوامی آئنگر وزیر اعظم بنے تو ان کے چیف سیکرٹری مسٹر آر سی کاک نے جو خود بھی ایک ماہر آثار قدیمہ اور سنسکرت کے عالم تھے مسٹر نالی نکھشا دت (ڈی لٹ لندن) سے درخواست کی کہ "کشمیر دربار" کے لئے ان مخطوطات کو Edit کریں۔ آخر ۱۹۳۹ء میں سری نگر سے ان کی اشاعت ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۴ء میں دہلی سے شائع ہوا۔

ان صحائف کی زبان ملی جلی سنسکرت اور پراکرت ہے جس میں کبھی پراکرت کے قواعد برتے جاتے ہیں اور کبھی سنسکرت کے۔

تقابل

یہ صحائف اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ ان کی دریافت سے قبل ہندوستان میں سنسکرت زبان کے بدھ صحائف نہ ہونے کے برابر تھے۔

یہ صحائف اس سے قبل تبتی، پالی، چینی اور جاپانی وغیرہ زبانوں میں دریافت ہو چکے تھے۔ لیکن جس زبان یعنی سنسکرت سے یہ ترجمہ کئے گئے تھے اس میں یہ دستیاب نہیں تھے۔ ان صحائف کی دریافت سے وہ اصل ماخذ دستیاب ہو گیا جس سے یہ صحائف ترجمہ کئے گئے تھے۔ ترکستانی صحائف کی طرح یہ بھی سٹوپے سے دریافت ہوئے ہیں۔ اصل مخطوطات کی تعداد کافی زیادہ تھی لیکن شائع شدہ جلدوں میں صرف محدود تعداد کا احاطہ کیا جا سکا ہے۔

Gilgit Manuscripts
Edited by Dr.Nalinaksha Dutt.
Sri Satguru publications- India
Indological & Oriental Publishers
Shakti Nagar - Delhi- India-1984
(First Edition 1939- Srinagar)

بقیہ: اکرام ضیف از صفحہ نمبر ۲

جائیں۔ اللہ اللہ! کس لطف سے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ: "اچھا ہمارے سامنے سوار ہو جاؤ"۔ میں یکہ میں بیٹھ گیا اور سلام عرض کیا تو پھر حضور واپس ہوئے۔

مجھے یاد ہے کہ محمد شادی خان صاحب بھی اس وقت بٹالہ جانے کے واسطے میرے ساتھ سوار ہوئے تھے۔ انہوں نے حضور کی اس کریمانہ عنایت خاص پر تعجب کیا اور دیر تک راستہ میں مجھ سے تذکرہ کرتے رہے اور ہم خوش ہو ہو کر آپ کے اخلاق کریمانہ کے ذکر سے مسرور ہوتے تھے۔

"اے خدا کے پیارے اور محمدؐ کے دلارے مسیح موعود تجھ پر ہزاروں سلام ہوں کہ تو اپنے خادموں کے ساتھ کیسا مہربان تھا۔ تیری محبت ہمارے ایمانوں کے لئے اکسیر تھی۔ جس سے ہمارے مس خام کو کندن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تیرے اخلاق کریمانہ اب بھی یاد آ آکر خدا تعالیٰ کے حضور میں ہمارے قرب کا موجب ہو رہے ہیں"۔

حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ خود راقم الحروف کی آنکھوں کے سامنے گزرا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ایسے بہت سے واقعات کا عینی شاہد اللہ کے فضل سے ہے۔ اس واقعہ کو پیش کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی اور سیرت کے میں صرف اس اسوہ ہی کو پیش نہیں کر رہا ہوں جو مہمان نوازی، اکرام ضیف اور مشایعت مہمان کے پہلوؤں پر حاوی ہے بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو اپنا کام آپ کرنے میں قطعاً تامل نہ ہوتا تھا اور معاً یہ واقعہ آپ کی صداقت کی بھی ایک زبردست دلیل ہے۔ اگر تکلف اور تصنع کو آپ کے اخلاق کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا تو آپ اپنے مخلص اور جانثار مریدوں کے درمیان اس طرح پر کھڑے ہو کر اپنے ایک خادم کو دودھ نہ پلاتے جیسے ایک خادم اپنے آقا کو پلاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ محبت اور ہمدردی مخلوق کے اس مقام پر کھڑا تھا جہاں انسان باپ سے بھی زیادہ مہربان اور شفیق ہوتا ہے۔ وہ اپنے خادموں کو غلام نہیں بلکہ اپنے معزز اور شریف بھائی سمجھتا تھا۔ ان کے اکرام و احترام سے وہ سبق دیتا تھا کہ ہم کو کس طرح پر اپنے بھائیوں سے سلوک کرنا چاہئے اور کس طرح ایک دوسرے سے احترام کے اصول پر کاربند ہو کر اس حقیقی عزت و احترام کا دائرہ وسیع کرنا چاہئے جو مومنین کا خاصہ ہے۔

کیا دنیا کے پیروں اور مرشدوں میں اس کی نظیر پائی جاتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں یہ نظیر اگر ملے گی تو اس جماعت میں جو انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے اور یا ان لوگوں میں ملے گی جنہوں نے منہاج نبوت پر خدا تعالیٰ کی تجلیوں اور فیوض کو حاصل کیا ہے۔

منشی عبدالحق نو مسلم کا واقعہ

منشی عبدالحق بی اے جو مولوی چراغ الدین صاحب قصوری مدرس مشن سکول لاہور کے فرزند رشید ہیں اور ایک زمانہ میں عیسائی ہو گئے تھے اور لاہور مشن کالج میں بی اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے الحکم اور حضرت اقدس کی بعض تحریروں کو پڑھ کر حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا کہ وہ اسلام کی حقانیت اور صداقت کو عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت خلیفۃ اللہ نے ان کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ کم از کم دو ماہ کے لئے قادیان آ جائیں۔

چنانچہ وہ ۲۳؍دسمبر ۱۹۰۱ء کو بعد دوپہر قادیان پہنچے۔ حضرت اقدس کی طبیعت ان ایام میں ناساز تھی مگر باوجود ناسازی مزاج کے آپ دوسرے مہمانوں اور اس حق جو مہمان کے لئے باہر تشریف لے آئے اور سیر کو تشریف لے گئے۔ اور تمام راستہ میں آتی اور جاتی دفعہ برابر تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس تبلیغ کا نتیجہ تو آخر میں یہ ہوا کہ یہ نوجوان مسلمان ہو گیا اور برہان الحق ایک رسالہ بھی تالیف کیا اور بھی چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے۔ مگر میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ باوجود ناسازی طبیعت آپ مہمان نوازی کے اعلیٰ مقام پر ہونے کے باعث باہر تشریف لائے اور یہ دیکھ کر کہ وقت کو غنیمت سمجھنا چاہئے آپ نے پوری تبلیغ فرمائی اور آخر میں منشی عبدالحق صاحب کو فرمایا:

"آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان وہی آرام پا سکتا ہے جو بے تکلف ہو پس آپ کو چاہئے کہ جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بلا تکلف کہہ دیں"۔

پھر جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

"دیکھو یہ ہمارے مہمان ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو مناسب ہے کہ ان سے پورے اخلاق سے پیش آوے اور کوشش کرتا رہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو"۔ (اخبار الحکم ۳۱؍جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۲،۳)

منشی عبدالحق صاحب پر تو جو اثر حضرت کی تبلیغ کا ہوا اس کو آپ کے اس خُلقِ مہمان نوازی نے اور بھی قوی کر دیا اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے منشی صاحب مسلمان ہو گئے۔ اور اب تک مسلمان ہیں۔ انہوں نے میاں سراج الدین صاحب بی اے کا بھی ذکر کیا۔ (یہ وہی سراج الدین ہے جس کے نام پر سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب شائع ہوا ہے)۔ اس نے حضرت اقدس کی اعلیٰ درجہ کی اخلاقی خوبی کو خدا جانے کس آنکھ سے دیکھا۔ جب وہ یہاں سے گیا ہے تو حضرت اقدس اس کو چھوڑنے کے لئے تین میل تک چلے گئے تھے۔ اس کا ذکر اس نے منشی عبدالحق سے ان الفاظ میں کیا:

"جب میں آیا تھا تو وہ تین میل تک مجھے چھوڑنے آئے تھے"۔

میں اس موقع پر سلیم الفطرت قلوب سے اپیل کروں گا کہ وہ غور کریں۔ حضرت مسیح موعود ایک شخص کو (جو عیسائی ہو گیا تھا اور اس کے رشتہ دار وغیرہ اسے قادیان اس غرض سے لائے تھے کہ اسے کچھ فائدہ پہنچے۔ چونکہ وہ دراصل اپنے بعض مقاصد کو لے کر عیسائی ہوگیا تھا اس لئے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکا) چھوڑنے جا رہے ہیں۔ کیا یہ کسی ذاتی غرض و مقصد کا نتیجہ ہے یا محض شفقت اور ہمدردی لئے جا رہی تھی۔ آپ کی فطرت میں یہ جوش تھا کہ کسی نہ کسی طرح یہ روح بچ جاوے اور اس وقت اور موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ نے اکرام ضیف بھی کیا اور تبلیغ بھی کی مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

الغرض منشی عبدالحق صاحب جب تک یہاں رہے حضرت کی مہمان نوازی کے معترف رہے اور اس کا ان کے قلب پر خاص اثر تھا۔ میں نے ان ایام میں دیکھا کہ حضرت قریباً روزانہ منشی عبدالحق کو سیر سے واپس لوٹتے وقت یہ فرماتے کہ:

"آپ مہمان ہیں، آپ کو جس چیز کی تکلیف ہو مجھے بے تکلف کہیں کیونکہ میں تو اندر رہتا ہوں اور نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو کیا ضرورت ہے۔ آج کل مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے بعض اوقات خادم بھی غفلت کر سکتے ہیں۔ آپ اگر زبانی کہنا پسند نہ کریں تو مجھے لکھ کر بھیج دیا کریں۔ مہمان نوازی تو میرا فرض ہے"۔

(اخبار الحکم ۷؍فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

ایک ہندو سادھو کی تواضع

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ایک ہندو سادھو کوٹ کپورہ سے آیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسلمانوں کے لئے تو خاص تردد اور تکلیف نہیں ہو سکتی کیونکہ لنگر جاری تھا اور جاری ہے وہاں انتظام ہر وقت رہتا ہے لیکن ایک ہندو مہمان کے لئے خصوصیت سے انتظام کرنا پڑتا ہے اور چونکہ وہ انتظام دوسروں کے ہاں کرانا ہوتا ہے اس لئے مشکلات ظاہر ہیں تاہم حضرت اقدس ہمیشہ ایسے موقعہ پر بھی پورا التزام مہمان نوازی کا فرماتے تھے۔ ۶؍اکتوبر کی شام کو اس نے حضرت اقدس سے ملاقات کی۔ آپؑ نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ:

"یہ ہمارا مہمان ہے اس کے کھانے کا انتظام بہت جلد کر دینا چاہئے۔ ایک شخص کو خاص طور پر حکم دیا کہ ایک ہندو کے گھر اس کے لئے بندوبست کیا جاوے"۔

چنانچہ فوراً یہ انتظام ہو گیا۔ آپ کے دستر خوان پر دوست دشمن کی کوئی خاص تمیز نہ تھی۔ ہر شخص کے ساتھ جو آپ کے یہاں مہمان آجاتا آپ پورے احترام اور فیاضی سے برتاؤ کرتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مہمان کا دل شیشے سے بھی نازک ہوتا ہے اس لئے بہت رعایت اور توجہ کی ضرورت ہے اور بار بار لنگر خانہ کے خدام کو خود تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور محض اسی خیال سے کہ مہمانوں کو کوئی تکلیف نہ ہو آپ نے اپنی حیات میں لنگر خانہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تاکہ بعض ضوابط اور قواعد کی پابندیاں کسی کے لئے تکلیف کا موجب نہ ہو جائیں۔ اور آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ ہر مہمان کے متعلق اس امر کا بھی التزام رکھتے تھے کہ وہ کس قسم کی عادات کھانے کے متعلق رکھتا ہے۔ مثلاً اگر حیدر آباد یا کشمیر سے کوئی مہمان آتا تو آپ اس کے کھانے میں چاول کا خاص طور پر التزام فرماتے کیونکہ وہاں کی عام غذا چاول ہے۔ اور اس امر کی خاص تاکید کی جاتی اور کوشش یہ رہتی تھی کہ مہمان اپنے آپ کو اجنبی نہ سمجھے بلکہ وہ یہی سمجھے کہ اپنے گھر میں ہے۔

حضرت اقدس کے معمولات میں یہ بات بھی تھی کہ جب وہ مہمانوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتے تو ہمیشہ سب مہمانوں کے کھا چکنے کے بعد بھی بہت دیر تک کھاتے رہتے اور غرض یہ ہوتی تھی کہ کوئی شخص حجاب نہ کرے اور بھوکا نہ رہے اس لئے آپ بہت دیر تک کھانا کھاتے رہتے۔ اگرچہ آپ کی خوراک بہت ہی کم تھی غرض آپ کی مہمان نوازی عدیم المثال تھی اور آپ کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ **(باقی اگلے شمارہ میں)**

DAUD TRAVEL

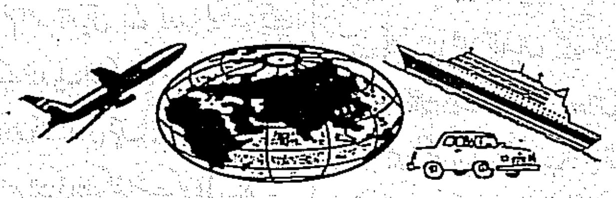

داؤد ٹریول جلسہ سالانہ یوکے میں شمولیت کے لئے جانے والوں کو خوش آمدید کہتے ہیں

ہمیں آپ کی سالہا سال سے خدمت کرنے کا اعزاز حاصل ہے

امسال بھی اگر آپ نے بذریعہ کار سفر کرنا ہے تو فیری کے لئے

سستے ترین کرایہ کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں۔

آپ یقیناً ہمیں سروس میں بہترین پائیں گے

پاکستان جانے کے لئے بھی ہماری خدمات سے فائدہ اٹھائیں۔ فیملی فیئر کی سہولت بھی میسر ہے۔ پی آئی اے کے افسران نے اچھی سروس دینے کا وعدہ کیا ہے، آزمائش شرط

ہر قسم کی ترجمانی کا تسلی بخش انتظام بھی ہے۔

ٹیکس کے بارہ میں ہر قسم کے قانونی مشورہ جات کے لئے بھی

ہماری خدمات حاصل کریں

Otto Str. 10 - 60329 Frankfurt

Tel: (069) 233654 Fax: 259359

خطبہ جمعہ

جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جائے تو پھر یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اپنے بھائیوں کا نہ ہو

اس دور میں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی تعلیم کی طرف خاص طور پر میری توجہ پھیری ہے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۱۹؍جون ۱۹۹۸ء بمطابق ۱۹؍احسان ۱۳۷۷ ہجری شمسی بمقام مسجد بیت الرحمٰن واشنگٹن (امریکہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُ بِالعَدْلِ وَالاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِی القُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الفَحْشَآءِ وَالمُنْكَرِ وَالبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُم تَذَكَّرُوْنَ. (سورۃ النحل آیت ۹۱)

آج اس آیت کا انتخاب میں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض استنباط کی وجہ سے کیا ہے جن کی بنیاد زیادہ تر اسی آیت پر ہے۔ کچھ عرصہ سے لوگ یہ سوال بھیج رہے ہیں یعنی مسلسل نہیں مگر کبھی کبھی بھیج دیتے ہیں کہ قرآن کریم کے احکامات اور نواہی ہیں کتنے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ بعض جگہ دو تین کا ہی ذکر ہے بعض جگہ پانچ سو کا ذکر ہے بعض جگہ سات سو کا ذکر ہے بعض جگہ ہزارہا کا ذکر ہے تو کل احکامات ہیں کتنے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مواقع پر ان کی مختلف تعداد کیوں بیان فرمائی ہے۔ پس اس پہلو سے میں نے تمام اقتباسات کو اکٹھے کر کے آغاز سے جس میں ایک دو احکامات کا ذکر ہے، پھر آگے اس کو بڑھا کر ان احکامات کی بات کی ہے جو پانچ سو یا سات سو تک جا پہنچتے ہیں پھر آخر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ اقتباس رکھا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ ہزارہا ہیں اور ہزارہا سے مراد محض ہزارہا نہیں بلکہ ہزارہا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے کہ اتنے ہیں کہ ان کا شمار ہی ممکن نہیں۔

کس کس پہلو سے، کیا کیا تعداد معین ہوتی ہے یہ ایک بہت اہم علمی مسئلہ ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کو نہ صرف علمی فائدہ ہوگا بلکہ روحانی فوائد بھی بہت پہنچیں گے۔ چنانچہ سب سے پہلا اقتباس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۵۰ سے ہے۔ عنوان ہے قرآن کے دو بڑے حکم ہیں۔ اب کہاں چار سو، پانچ سو، سات سو، ہزارہا اور بات شروع ہوئی ہے دو بڑے حکم ہیں اور جب آپ مفہوم کو سمجھیں گے تو دل گواہی دے گا کہ ہاں دراصل تو قرآن انہی دو احکام کے گرد گھوم رہا ہے۔ فرمایا "باہم بخل اور کینہ اور حسد اور بغض اور بے مہری چھوڑ دو"۔ یہ ایک حکم ہے جس کے تابع پھر اور بہت سی باتیں آگئیں۔ "باہم بخل اور کینہ اور حسد اور بغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ۔ قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں۔ ایک توحید و محبت و اطاعت باری عزّاسمہ۔ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنی بنی نوع کی"۔ یہ مرکزی نقطہ ہے تمام قرآنی تعلیمات کا کہ اللہ کی توحید اور اس کی محبت اور اس کی اطاعت میں اپنے آپ سے کھوئے جاؤ اور کلیۃً اپنی گردن خدا کی محبت اور عشق اور اطاعت کے حضور خم کر دو اور اگر ایسا کرو گے تو دوسرا حکم طبعاً اسی سے نکلتا ہے جو خدا کا ہو جائے یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں کا نہ ہو۔ پس دراصل تو ایک ہی حکم ہے جس کے تابع پھر یہ دوسرا حکم ازخود ایک فطری تقاضے کے طور پر پھوٹتا ہے اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع انسان کی ہمدردی کرو۔ اس کے بعد فرمایا "اور ان حکموں کو اس نے تین درجے پر منقسم فرمایا ہے جیسا کہ استعدادیں بھی تین ہی قسم کی ہیں۔ اور وہ آیت کریمہ یہ ہے، اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُ بِالعَدْلِ وَالاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِی القُرْبٰی"۔ یہ وہی آیت ہے جس کی میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی تھی۔

اب اس اجمال کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں سنئے۔ آپ فرماتے ہیں، "اب میں پہلے کلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ انسانی حالتوں کے سرچشمے تین ہیں یعنی نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ۔ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہیں۔ اول یہ کہ بے تمیز وحشیوں کو اس ادنیٰ خلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور شادی وغیرہ تمدنی امور میں انسانیت کے طریق پر چلیں۔ نہ ننگے پھریں اور نہ کتوں کی طرح مردار خور ہوں اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کریں۔ یہ طبعی حالتوں کی اصلاحوں میں سے ادنیٰ درجہ کی اصلاح ہے"۔

"یہ اس قسم کی اصلاح ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیئر کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھلانا ہوں"۔ پورٹ بلیئر کسی زمانہ میں آدم خوروں کے لئے مشہور ہوا کرتی تھی تو اس لئے وہ پورٹ بلیئر کا حوالہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا ہے۔ فرمایا، "مثلاً پورٹ بلیئر کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھلانا ہوں تو پہلے ادنیٰ ادنیٰ اخلاق انسانیت اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے۔ دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کر لیوے تو اس کو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائیں اور انسانی قویٰ میں جو کچھ بھی بھرا پڑا ہے اس سب کو محل اور موقع پر استعمال کرنے کی تعلیم دی جائے"۔

اب اس عبارت سے تین طریقے اصلاح کے بیان فرمائے ہیں لیکن معمولی تدبر کرنے والا انسان بھی غور کر سکتا ہے کہ ہر طریقے کے تابع بے شمار اور طریقے ہیں۔ ایک بڑا حکم ہے اس بڑے حکم کے آگے شاخیں ہیں اور پھر شاخیں در شاخیں چلتی چلی جاتی ہیں۔ اب ایک وحشی کو مثلاً پورٹ بلیئر کے وحشی کو جب آداب سکھانے ہونگے تو اس میں ان لوگوں کی گندی عادات جو مدتوں سے چلی آرہی ہیں ان کا مطالعہ ضروری ہوگا۔ ان عادات کی اصلاح کے لئے جو موقع اور محل کے مطابق اصلاح ضروری ہے اس پر غور اور فکر کی ضرورت ہوگی۔ ان کو سکھانا ہوگا۔ تو بات تو ایک ہی حکم سے چلتی ہے اللہ کی اطاعت، لیکن آگے پھر پھیلتی چلی جاتی ہے اور اسی طرح تعلیمات ایک سے پھر متعدد تعلیمات میں منتقل ہو جاتی ہیں گویا توحید کے تابع پھر خدا تعالیٰ کا بندوں سے جو سلوک ہے وہ بندوں کی نسبت سے پھیلتا چلا جاتا ہے۔

"تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں خشک زاہدوں کو شربت محبت اور وصل کا مزہ چکھایا جائے"۔ "تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں"۔ اول تو اخلاق فاضلہ سے متصف کرنے کے لئے جیسے کہ میں نے بیان کیا ہے بہت لمبی محنت کی ضرورت ہے لیکن ایک دفعہ کوئی اخلاق فاضلہ سے متصف ہو جائے یعنی اس کا وصف بن جائے تو وہاں بات کو چھوڑنا فی الحقیقت سفر کا کچھ حصہ طے کرنے والی بات ہے بالآخر یہ سفر اللہ تعالیٰ کی محبت پر منتج ہونا چاہئے اور اس کے سوا اس سفر کا کوئی مقصد نہیں ہے۔

فرمایا جب متصف ہو جائے پھر زاہدوں کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے۔ ان کو بتایا جائے کہ اللہ کی محبت اور اس کے وصل کا شربت پینے میں کتنا مزا ہے۔ "یہ تین اصلاحیں ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں۔ اور ہمارے سید و مولا نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے تھے جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ظَهَرَ الفَسَادُ فِی البَرِّ وَالبَحْرِ یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو اہل کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں ملا وہ بھی بگڑ گئے۔ پس قرآن شریف کا کام دراصل مردوں کو زندہ کرنا تھا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يُحْیِ الاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا جان لو کہ اللہ ہی ہے جو زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد پھر زندہ کرتا ہے"۔

ظَهَرَ الفَسَادُ فِی البَرِّ وَالبَحْرِ باقی دنیا کو چھوڑ دیں اپنے امریکہ کی خبر کریں۔ خود امریکہ میں اتنی بے حیائی ہے، اتنی بے راہ روی ہے کہ ایک زمانہ تو یہ تھا کہ امریکہ سے لگتا تھا بے حیائیاں دساور کو جاتی ہیں۔ لیکن اب دوسرے ملکوں نے بھی اتنا مقابلہ کیا ہے بے حیائیوں میں کہ اب کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ بے حیائی یہاں زیادہ ہے یا باہر زیادہ ہے۔ ظَهَرَ الفَسَادُ فِی البَرِّ وَالبَحْرِ کا یہ مطلب ہے۔ یعنی اب یہ فرق نہیں رہا کہ

کہاں سے برائی پھوٹی تھی۔ مذہب کہاں تھا اور لامذہبیت کہاں تھی۔ جب سب برائیاں ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر برابر ہو جائیں تو اس وقت یہ محاورہ صادق آتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ خشکی اور تری دونوں فساد سے بھر گئے۔ تو باہر کے ملکوں میں آپ میں سے ہر ایک کو جانے کا موقع ملے یا نہ ملے مجھے سفر کا موقع ملتا رہتا ہے۔ افریقہ بھی جاتا ہوں، امریکہ بھی اور یورپ کے ممالک ہیں یا مشرق بعید کے ممالک ان کا بھی سفر کرتا ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ زمانہ جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا تھا وہ آج بعینہٖ اس دنیا پر پورا اتر رہا ہے۔ اب کوئی ان کو شمار کر کے دیکھے کہ برائیاں ہیں کتنی تو احکام کا اندازہ ہو جائے گا کتنے ہونے چاہئیں۔ ہزارہا، لاکھوں برائیاں ہیں اور ان لاکھوں برائیوں کے مقابل پر ایک حکم ہے نہی، یہ برائی نہیں کرنی، یہ برائی بھی نہیں کرنی۔ اور یہ ابھی اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى کے بعد وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ اس آیت کریمہ نے یہ جو تین بچنے کی باتیں بیان فرمائی ہیں یہ سارے ان کے تابع ہیں اور اب کوئی حساب کرتا ہے تو کرتا پھرے۔ ناممکن ہے کہ ان برائیوں کو گن سکے جن برائیوں کا ایک آیت کے تین حصوں میں ذکر فرما دیا گیا۔

پس اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاں ایک حکم، دو حکموں، تین حکموں کی باتیں کرتے ہیں تو آپ کے ذہن میں ایک پورا جہان ہے حکموں کا۔ مناہی کا بھی اور احکامات کا بھی۔ اور اس پہلو سے آپ کو میں بعض اور مثالیں دوں گا اس سے اندازہ ہوگا کہ حکموں کا تو کوئی شمار ہی نہیں رہتا۔ اس لئے وہ علماء جنہوں نے پانچ سو گنے یا سات سو گنے وہ کوتاہ نظر تھے، وہاں ٹھہر گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پانچ سو بھی گنے اور سات سو بھی گنے اور پھر آپ کی نظر ہر طرف پھیل گئی اور آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پانچ سو، سات سو کی کیا بحث ہے یہ تو بے شمار چیزیں ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر مل رہا ہے، جن سے بچنا ضروری ہے یا جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی سر زمین عرب کا حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام یوں بیان فرماتے ہیں، ”اس زمانے میں عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا اور کوئی نظام انسانیت کا ان میں باقی نہیں رہا تھا اور تمام معاصی ان کی نظر میں فخر کی جگہ تھے“۔ اور یہ وہ امر ہے جس کا آج بھی اطلاق ہو رہا ہے۔ بہت سے گناہ ایسے ہیں جن پر فخر کیا جا رہا ہے اور ٹیلی ویژن پہ وہ فخر کے طور پر دکھائے جاتے ہیں کہ ہم ان گناہوں میں اتنا ترقی کر چکے ہیں۔ ”اور تمام معاصی ان کی نظر میں فخر کی جگہ تھے اور ایک ایک شخص صدہا بیویاں کر لیتا تھا“۔ اب آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اطلاق نہیں ہو رہا۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جتنی جنسی بیماریوں کی تحقیق کرنے والے ماہرین ہیں وہ یہ بتاتے ہیں کہ امر واقعہ ہے عورتیں بھی صدہا مرد کرتی ہیں اور مرد بھی صدہا عورتیں کرتے ہیں صرف قانون کی نظر میں شادی شدہ نہیں ہوتے۔ تو عربوں کو تو اس بات کا کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ ان کے ہاں شادی ہونا یا نہ ہونا برابر بات تھی۔ لیکن جہاں ایک شادی کی اجازت ہے اور ایک شادی پر فخر ہے وہاں غیر قانونی شادیاں آپ سینکڑوں بھی کر لیں تو کوئی اعتراض کی بات نہیں، قانونی شادی نہیں ہونی چاہئے بس۔ صرف یہ اختلاف ہے۔ تو جب آپ سنتے ہیں ایک شخص صدہا بیویاں کر لیتا تھا تو یہ واقعۃً آج بھی اس بات پر عمل ہو رہا ہے۔

فرماتے ہیں، ”حرام کا کھانا ان کے نزدیک ایک شکار تھا“۔ اب حرامخوری تو اتنی عام ہو چکی ہے دنیا میں جیسے شکار کر لیا ویسے حرام خوری کر لی کوئی بھی فرق اور کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ اب یہ ایک فقرہ ایسا ہے جو اچانک دلوں میں ایک ہلچل پیدا کر دے گا۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ آج کل دنیا میں بعینہٖ یہ بات ہم ہوتی دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ اسلامی ممالک کہلانے والوں میں بھی یہ بدی مل رہی ہے اور ہمیشہ تو نہیں پکڑی جا سکتی مگر پکڑے جانے کے مواقع بھی اتنے ہیں کہ اخبارات ان کے ذکر سے منہ کالا کر لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں، ”ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حلال سمجھتے تھے“۔ اب نکاح کرنا تو حلال سمجھتے تھے مگر یہاں جو خبریں پاکستان کے اخباروں میں آتی رہتی ہیں ان سے پتہ لگتا ہے کہ نکاح کرنا تو حرام ہی رہے گا مگر نکاح کے لوازمات سارے کر لیتے ہیں اور بہت ہی خوفناک حالتیں ہیں جن کے تفصیلی ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ یعنی میری طبیعت پہ ان کے ذکر سے ایسی کراہت آتی ہے کہ میں مجبور ہوں کہ اشارہ ہی آپ کے سامنے رکھ دوں کہ یہ بدیاں بھی عام ہو چکی ہیں۔

fozman foods

BUYING GROUP FOR GROCERS & C.T.N. SHOPS

2 SANDY HILL ROAD, ILFORD, ESSEX

TEL: 0181-553-3611

فرماتے ہیں، ”اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ تمہاری مائیں تم پر حرام کی گئی ہیں“۔ اب اس فقرے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس زمانے کی ہر بدی کھول کر رکھ دی ہے۔ کیا ضرورت تھی، کیوں خدا نے فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُم، اگر ماؤں کو حلال نہیں سمجھا جاتا تھا تو اس حکم امتناعی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ”آدم خور بھی تھے دنیا کا کوئی گناہ نہیں جو نہیں کرتے تھے۔ اکثر معاد کے منکر تھے“۔ یعنی یہ کوئی تصور نہیں تھا کہ ہم جی اٹھیں گے اور ہم سے پوچھا جائے گا، ہم سے جواب طلبی کی جائے گی اور یہ حقیقت ہے کہ آج کی دنیا میں اکثر گناہوں کا انتشار اسی بنیادی وجہ سے ہے۔ بھاری اکثریت لوگوں کی وہ ہے جو سمجھتے ہیں ہم مر کے مٹی ہو جائیں گے اور پھر ہم سے کوئی نہیں پوچھے گا۔

کچھ عرصہ پہلے ایک مجلس سوال و جواب میں بعض بڑے دانشور اور ان میں بعض عیسائیت کے مناد بھی تھے وہ آئے ہوئے تھے، شروع میں تو انہوں نے اس بات سے تعجب کیا کہ وہ معاد کے قائل نہیں۔ اگر یقین ہو کہ میں عدالت کے سامنے پیش کیا جاؤں گا تو عدالت کے خوف سے ہی بہت سے گناہ جھڑ جاتے ہیں لیکن گناہوں کی کثرت بتا رہی ہے کہ خدا کی عدالت کے سامنے پیش ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں۔ لوگ عملاً یہی سمجھتے ہیں کہ مرے اور مٹی ہو گئے اور پھر کون جئے گا اس جواب طلبی کے لئے کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

”قرآن کریم نے اسی لئے اس مسئلے کو بار بار اٹھایا ہے اور اس کا ایک طبعی نتیجہ یہ ہے بہت سے ان میں سے خدا کے وجود کے بھی قائل نہ تھے“۔ یہ دو باتیں ایسی ہیں اچھی طرح ان کو پلے باندھ لیں کہ کوئی قوم بھی خدا کی ہستی کی قائل نہیں رہ سکتی اگر وہ مرنے کے بعد جی اٹھنے اور سوال و جواب کی قائل نہ رہے۔ ان دونوں عقائد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ قوم یہ سمجھے کہ ہم مر کے مٹی ہو جائیں گے اور پھر خدا کی ہستی کے قائل ہوں۔ خدا ایک بے معنی اور بے حقیقت چیز ہو جاتا ہے اور اگر یقین ہو کہ ہم دوبارہ جی اٹھائے جائیں گے اور جواب طلبی ہوگی تو لازماً ایک خدا کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جو مالک ہے، جو خالق ہے، جو حساب کرنے والا ہے اور اس کے سامنے ہم سب حساب دار ہونگے۔

فرماتے ہیں، ”ایسی قوموں کی اصلاح کے لئے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم شہر مکہ میں ظہور فرما ہوئے۔ پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں ان کا درحقیقت یہی زمانہ تھا۔ پس اس وجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اکمل اور اتم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقع نہیں ملا“۔ اب یہ دیکھنے میں تو ایک دعویٰ ہے مگر اگر مذاہب کی تفصیل پر اور ان کے موجودہ حال پر نظر ڈالیں تو اس میں ایک ادنیٰ بھی شک نہیں رہ جاتا کہ پہلے مذاہب کو ان تینوں اصلاحوں کو بیک وقت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ وہ مضمون تھا جو اسلام کے وقت کے لئے اٹھا رکھا گیا تھا اس کے لئے جس نبی کی ضرورت تھی وہ ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم ہیں۔ کسی اور نبی کو یہ توفیق مل نہیں سکتی تھی کہ یہ تینوں امور ہاتھ میں لے اور ان میں سے ہر امر کی ہر تفصیل میں جا کر برائیوں کی بیخ کنی کرے اور ان کے بدلے میں بھلائیوں کو ان کی جگہ جاگزیں کرے۔

”قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے بااخلاق انسان بناوے اور بااخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے۔ اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے“۔ یہی تین امور قرآن کریم کا خلاصہ ہیں۔ فرماتے ہیں، ”قرآنی تعلیم کا اصل منشاء اصلاحات ثلاثہ ہیں اور طبعی حالتیں تعدیل سے اخلاق بن جاتی ہیں“۔ اب یہ جو نکتہ ہے یہ ”اسلامی اصول کی فلاسفی“ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے اور اگرچہ اسلامی اصول کی فلاسفی کا سال ہم بڑے شد و مد سے منا چکے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ سب نے اسلامی اصول کی فلاسفی کا گہرے دل سے مطالعہ کیا ہوگا مگر اس کے باوجود جب بھی میں اپنی سوال و جواب کی مجالس میں خصوصاً بعض احمدیوں سے پوچھتا ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلامی اصول کی فلاسفی کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے۔ یہ کتاب ہی بہت گہری ہے اور اس پر ٹھہر ٹھہر کر غور کی ضرورت ہے ورنہ اسلامی اصول کی فلاسفی جن معارف اور حقائق کو لپیٹے ہوئے ہے ان کی کنہہ تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔

فرماتے ہیں، ”قبل اس کے کہ جو ہم اصلاحات ثلاثہ کا مفصل بیان کریں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی ماننی پڑے“۔ اب یہ بھی ایک ایسا عجیب دعویٰ ہے جس کو لوگ سرسری نظر سے پڑھیں گے تو ان کو تعجب لگے گا۔ احکامات تو جتنے ہیں وہ فرائض ہیں۔ ”زبردستی ماننی پڑے“ سے کیا مراد ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ قرآن کریم کی جس تعلیم پر بھی آپ چاہیں اس کو رد کر سکتے ہیں اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ عمل نہ کرنا چاہیں نہ کریں لیکن لازماً اس کا نقصان پہنچے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ قرآن کریم کی کوئی چھوٹی سی تعلیم بھی آپ نظر انداز کر دیں اور کہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے بغیر پھر آپ کو کوئی گہرا نقصان نہ پہنچ جائے۔ تو یہ مطلب ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بھی تعلیم ایسی نہیں جو زبردستی ماننی پڑے۔ ایسی بات ہے جیسے آپ کو کوئی کہے کہ یہ دودھ نہ پیو یہ زہریلا ہے۔ اب اس میں زبردستی تو کوئی نہیں ہوگی۔ اگر وہ کہے اچھا پینا ہے تو پیو تمہاری مرضی ہے۔ اب

آپ انکار کر دیں کہ میں بالکل نہیں مانوں گا میں ضرور پیوں گا اور جب پیئں گے تو اس وقت سمجھ آئے گی کہ حکم نہ ماننے کے نتیجے میں کیسا نقصان پہنچا ہے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جو تعلیمات ہمارے سامنے رکھی ہیں ان میں ایک بھی ایسی نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جاسکے۔ وہ تعلیمات ساری انسانی زندگی کا خلاصہ ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹے حکم پر بھی اگر عمل نہیں کریں گے تو اس کا نقصان اٹھائیں گے۔

اب یہ بات احمدیوں کے لئے سمجھنی اس لئے ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کو اگر پوری طرح نہیں سمجھیں گے تو ان کو سمجھ نہیں آئے گی کہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں زور کیوں دے رہے ہیں۔ آگے جو میں عبارتیں پڑھ کے سناؤں گا اس میں مثلاً یہ ذکر ملتا ہے کہ کوئی ادنیٰ سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتا ہے۔ تو اب سوچیں آپ میں کتنے ہیں یا میں اپنی ذات کو سوچوں کہ بارہا کتنی دفعہ معمولی معمولی بعض حکموں کو معمولی سمجھ کر کہ دیکھنے میں معمولی تھے ان کو نظر انداز کیا ہے۔ نجات کا دروازہ بند کرنے کا کیا مطلب ہے۔ مطلب یہ ہے ان احکامات سے تعلق رکھنے والی جو نجات ایک طبیعت کا حصہ ہے اس نجات سے آپ ضرور محروم رہ جائیں گے۔ اگر کسی شخص پر آپ نے سختی کی ہے اور وہ سختی جائز نہیں تھی تو جو زبردستی کرنے والا ہے وہ کر بھی سکتا ہے مگر اس سختی کا نقصان ضرور اس ذات کو پہنچے گا، اس کے ضمیر کو پہنچے گا، اس کی شخصیت پہ ایک قسم کا زنگ آجائے گا جب تک وہ اس کی اصلاح نہ کرلے۔

تو یہ مراد نہیں ہے کہ اس شخص کی ہلاکت ناگزیر ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم واپس ان احکامات کی طرف لوٹو جن کو تم نے نظر انداز کر دیا تھا اور اس پر غور کرو اور دیکھو کہ ان پر عمل نہ کرنے سے تمہیں کیا نقصان پہنچا ہے۔ وہ لوگ جو یہ منکسر انہ مزاج نہیں رکھتے وہ سمجھتے ہیں کوئی فرق نہیں پڑتا ان کے متعلق لازماً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان صادق آتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی نجات کے دروازے بند کر لئے ہیں۔ پس کمزوروں کے لئے اس میں خوشخبری ہے اور طاقتوروں کے لئے بھی خوشخبری ہے۔ ہر حکم کے اندر کچھ حکمتیں ہیں ان حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو اور تکبر کی راہ سے کسی حکم کو نظر انداز نہ کرو۔ اگر کرو گے تو لازماً اس کا شدید نقصان پہنچے گا اور یہ نقصان بڑھتے بڑھتے جہنم کے کنارے تک پہنچا دیتا ہے۔

فرماتے ہیں، "باقی تمام احکام ان اصلاحوں کے لئے بطور وسائل کے ہیں اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کرنے کے لئے کبھی چیرنے، کبھی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے، ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بھی انسانی ہمدردی کے لئے ان لوازم کو اپنے اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اس کے تمام معارف یعنی گیان کی باتیں اور وصایا اور وسائل کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان کو ان کی طبعی حالتوں سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی حالتوں تک پہنچائے اور پھر اخلاقی حالتوں سے روحانیت کے ناپیدا کنار دریا تک پہنچادے"۔

اب یہ ساری عبارت ہی غور طلب ہے، ٹھہر ٹھہر کر فکر کے ساتھ پڑھنے والی ہے لیکن خلاصہ میں نے پہلے آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے کہ کوئی ایک تعلیم بھی بے کار اور بے ضرورت نہیں ہے۔ اور ہر تعلیم اگلی تعلیم کے لئے تیار کرتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ اچانک آپ کو آخری صورت میں قرآن کریم کی اعلیٰ تعلیم پر عمل کرنا نصیب ہو جائے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر آپ کا سفر شروع ہو جائے تو ہر تعلیم جس پر آپ انکسار کے ساتھ عمل کریں گے وہ اگلی تعلیم کے لئے تیار کر دے گی۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی مثال ایک پھوڑے سے دی ہے جس کی اصلاح ڈاکٹر کو کرنی ہے۔ اب ہر بیماری کا علاج بغیر تکلیف کے ممکن نہیں ہے۔ پھوڑے کی مثال دے کر بیان فرمایا کہ ڈاکٹر کو اس پہ چیر ڈالنا پڑتا ہے تاکہ اس کا گند، اس کا مواد پھوٹ کر باہر آجائے۔ اب یہ تکلیف دہ امر ہے اس لئے جب اپنے متعلق تم کوئی اسلام کی اصلاحی کارروائی استعمال کرو تو یاد رکھنا کہ لازم نہیں کہ تمہیں ضرور اس کا مزہ آئے۔ ابتداء میں تکلیف ہوگی اور تکلیف سے ڈر کر تم پیچھے بھی ہٹ سکتے ہو اگر پیچھے ہٹو گے تو وہی مواد، زہریلا مواد جو تمہارے اندر ہے وہ تمہارے لئے ہلاکت کا موجب بن جائے گا۔ اگر احکامات کی گہری حکمتوں پر نظر رکھو گے تو جان لو کہ ہر تکلیف اٹھانا تمہاری صحت کے لئے ضروری ہے۔ جب تکلیف اٹھاؤ گے تو اس کے نتیجے میں پھر صحت بھی نصیب ہوگی اور اس طرح ایک ادنیٰ حالت سے دوسری نسبتاً اعلیٰ حالت کی طرف تم حرکت کرتے چلے جاؤ گے۔

آگے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان احکامات کو کس رنگ میں دیکھا ہے اس رنگ میں دیکھنے کے لئے ابھی ہمیں اور بہت سی ترقی کی ضرورت ہے ورنہ یہ عبارت پڑھ کر آپ تعجب کریں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو کس رنگ میں دیکھ رہے ہیں۔ فرماتے ہیں، "ہر ایک عمر اور ہر ایک مرتبۂ فہم اور مرتبۂ فطرت اور مرتبۂ سلوک اور مرتبۂ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک روحانی دعوت تمہاری کی ہے"۔ قرآن کریم نے اپنے احکامات اور مناہی میں تمہاری ایک روحانی دعوت کی ہے۔ اب جس کو دعوت میں اچھے اچھے کھانے، مزے مزے کے کھانے ملیں وہ کیوں ان پر ہاتھ نہیں ڈالے گا، کیوں ان سے پیٹ بھرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر نظر تو آئے کہ یہ دعوت ہے۔ اگر دعوت کی بجائے وہ محض دستر خوان چنا ہو اور کھانے والا بیمار ہو تو ہر لقمہ جو اٹھائے گا وہ اس کے لئے مصیبت بن جائے گا۔ بیماری کے دنوں میں یہی ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں مجھے تکلیف ہوئی تھی اور کھانے کا مزہ ہی اٹھ گیا۔ وہ نعمتیں جن کو لوگوں کے سامنے دستر خوان پر بچھا ہوا بچوں کے سامنے دیکھتا تھا اور میں حیرت سے دیکھتا تھا کتنے مزے سے کھا رہے ہیں مگر حکم اٹھ گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وہ صحت نہ دی جس صحت سے سب کھانوں کے مزے متعلق ہیں تو کھانے بالکل بے کار اور بے معنی دکھائی دے رہے تھے۔ تو یہ فرق ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوت دیکھنے میں اور آپ کے دعوت دیکھنے میں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب یہ روحانی دعوت دیکھتے ہیں تو بہت مزے کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیسے کیسے مزے مزے کے کھانے خدا نے ہمارے لئے تیار کئے ہیں اور ایک بیمار آدمی بیٹھا حیرت سے دیکھ رہا ہے کہ کیسے کھا رہے ہیں۔ مجھے تو ہر کھانے کے لئے ایک مصیبت کرنی پڑ رہی ہے، لقمہ گلے سے اترتا نہیں اور کس مزے مزے سے کھا رہے ہیں۔ تو یہ سارے حالات ایسے ہیں جن کو تفصیلی نظر سے دیکھیں تو بات سمجھ آتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بھی عبارت ایسی نہیں جو گہری حکمتوں سے عاری ہو ایک نافہم آدمی کو شروع میں سمجھ نہیں آئے گی۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں بڑی روحانی نعمتیں ہیں جو ہمارے سامنے سجائی گئی ہیں اور اکثر آدمی دیکھ کے حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیا نعمتیں کھا رہے ہیں۔ ہر چیز سے تو بچنے کا حکم ہے، ہر مزے کے بات تو حرام کر دی گئی ہے تو یہ کیسی دعوت ہوئی جس میں ہر مزے مزے کی بات حرام ہو گئی اور ہر بیہودہ چیز جس کو ہم بیہودہ سمجھ رہے ہیں اس کے متعلق ہے کہ بے شک کھاؤ۔ یہ فہم کا قصور ہے، یہ انسانی فطرت کے رجحانات کا قصور ہے۔ جب بیمار ہوں گے تو یہی کچھ ہوگا۔ اگر بیمار نہیں ہونگے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ سنئے :۔

فرماتے ہیں، "تو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ"۔ اب بتائیں کون انسان ہے جو بیمار حالت میں ان کھانوں کو کھا سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کتنی آسانی سے فرما رہے ہیں کچھ بھی بات نہیں تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ "سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو۔ جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مؤاخذہ کے لائق ہوگا"۔ اگر تم عمداً کسی حکم سے احتراز کرو گے اور منہ بناؤ گے اور اس کھانے کو اپنے نفس کے لئے، اپنی اصلاح کے لئے قبول نہیں کرو گے تو فرماتے ہیں، "وہ عدالت کے دن مؤاخذہ کے لائق ہوگا"۔

اب یہ بھی نہیں فرمایا کہ عدالت کے دن ضرور اس کا مؤاخذہ ہوگا۔ یہ دو باتیں الگ الگ ہیں۔ ان کا فرق ہے۔ یہ کہنا ایک بات ہے کہ قیامت کے دن لازماً اس کا مؤاخذہ ہوگا اور یہ کہنا الگ بات ہے کہ وہ مؤاخذہ کے لائق ہوگا۔ آگے اللہ کی مرضی ہے یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ۔ لازم نہیں ہے کہ ہر قابل مؤاخذہ کو ضرور پکڑے مگر اپنی دانست میں تم خطرے کے نیچے آگئے۔ اگر آپ بے دھڑک سڑک پار کرتے ہیں اور کوئی موٹر پاس آ کے رک جائے آپ کو نہ کچلے تو اس میں آپ کی کوئی خوبی نہیں۔ مؤاخذہ کے لائق آپ ٹھہر گئے تھے۔ اگر وہ موٹر آپ کو کچل بھی دیتی ہے تو اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ پس مؤاخذہ کے لائق ٹھہرنا اور بات ہے اور مؤاخذہ ہونا اور بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارات بہت ہی باریک اور لطیف عبارات ہیں ان پہ کوئی منطقی اعتراض عائد نہیں ہوتا۔

"وہ عدالت کے دن مؤاخذہ کے لائق ہوگا۔ اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جوا اپنی گردنوں پر اٹھاؤ"۔ دین العجائز کس کو کہتے ہیں۔ بڑی بوڑھیاں جب ان کو کوئی نیکی کی بات کہی جائے تو بے چون وچراں وہ باتیں کر لیتی ہیں۔ کبھی وہ جھگڑا نہیں کرتیں کہ اس میں کیا حکمت تھی، کیوں ہم پر یہ بات فرض کی گئی ہے۔ سیدھی سادی پرانے زمانے کی مائیں آپ نے گھروں میں دیکھی ہونگی جو اکثر دیہاتی زندگی میں اب ایک قصۂ پارینہ بن گئی ہیں۔ آج کل تو بعض بوڑھیاں بھی بڑی چالاک ہو گئی ہیں۔ اور وہ بہانے ڈھونڈتی ہیں اسلام سے بچنے کے۔ لیکن پرانے زمانے میں ہم نے وہ عورتیں دیکھی ہوئی ہیں، سیدھی سادی سفید کپڑے پہنے ہوئے، سر کو چنی سے ڈھانپا ہوا، ان کو جو کہا بی بی آپ یہ کھالیں۔ اچھا یہی کھا لیتے ہیں۔ یہ کام کریں، اچھا یہی کام کر لیتے ہیں۔ ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو بھی احکامات نازل فرماتا ہے وہ ان کی بھلائی کے لئے ہیں۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں، "اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جوا اپنی گردن پر اٹھاؤ"۔ مسکینی کی حالت ہوگی تو پھر قرآن شریف کا اٹھانا آسان ہو جائے گا۔ اگر مسکینی کی حالت نہ ہوگی تو یہ جوا جو ہے یہ بہت مشکل پیدا کر دے گا۔ "کہ شریر ہلاک ہوگا اور سرکش جہنم میں گرایا جائے گا۔ اور جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے بچ جائے گا"۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد نمبر ۳)

اب حکموں کی تعداد ایک سے دو، دو سے تین، تین سے آگے بڑھتی جا رہی ہے، پانچ سو تک پہنچی۔ اب فرماتے ہیں، "سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکموں میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے، حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل

تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا الخَیرُ کُلّہ فِی القُرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن کریم میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن مجید میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی"۔

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۶،۲۷)

اب یہ جو پہلو ہے قرآن کریم سے محبت کا اس کے متعلق **آج کل میں بہت زور دے رہا ہوں کہ خصوصاً بچوں کو قرآن کریم پڑھنا لکھنا سکھایا جائے اور اس کے معانی بھی ساتھ ساتھ سکھائے جائیں۔ اکثر لوگ جو ناظرہ پڑھا دیتے ہیں وہ کافی نہیں ہے۔ اگر ناظرہ قرآن کے ساتھ ساتھ آپ اس کے معانی بھی کچھ سکھاتے چلے جائیں تو قرآن کریم سے محبت ہونا ایک لازمی بات ہے۔** اب مجھے علم نہیں کہ آپ میں سے کتنے ہیں جو میری قرآن کریم کی کلاس کو غور سے سنتے ہیں یا سن سکتے ہیں یا ان تک پہنچتی بھی ہے کہ نہیں۔ مگر اس کلاس میں جو آنے والے ہیں ان میں کم علم عورتیں بھی ہیں، بڑے بڑے صاحبِ علم مرد بھی ہیں لیکن جب قرآن کریم کو سمجھا کر پڑھایا جائے تو اس سے محبت ہونا ایک لازمی بات ہے، آدمی رک ہی نہیں سکتا محبت کئے بغیر۔

قرآن کریم پڑھانا اور خشکی یہ دو چیزیں اکٹھی ہو ہی نہیں سکتیں۔ چنانچہ میں اپنی کلاس کو سمجھاتا ہوں اور بسااوقات دیکھتا ہوں کہ جب میں قرآن کریم سے فطرت کے راز ان کو سمجھاتا ہوں، قرآن کریم نے کن کن رازوں سے پردہ اٹھایا ہے، کیا کیا معرفت کی باتیں کی ہیں، میری نظر اٹھتی ہے تو میں ان کو بھی روتے ہوئے دیکھتا ہوں اور میری اپنی آنکھیں بھی آنسو بہا رہی ہوتی ہیں۔ اب خشک تعلیم سے تو آنسو نہیں جاری ہوا کرتے۔ لازماً اللہ تعالیٰ کی محبت کے چشمے بہہ رہے ہیں قرآن کریم میں۔ اور وہی چشمے ہیں جو سننے والوں کی آنکھوں سے اور سنانے والے کی آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب قرآن کریم کے متعلق اس کو نعمت بیان فرماتے ہیں تو ہرگز ایک ذرہ بھی مبالغہ اس میں نہیں ہے۔

ایسی ایسی معرفت کی باتیں قرآن کریم میں بیان ہیں کہ ناممکن ہے کہ قرآن کریم پڑھیں اور اس سے محبت نہ ہو جائے اور **اگر قرآن سے محبت ہو جائے تو زندگی کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ جن لوگوں کو محبت ہوتی ہے ان کی ساری برائیاں دور ہو جاتی ہیں، ان کو ایک نئی زندگی نصیب ہوتی ہے۔** اور بکثرت لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ اگرچہ ہماری اپنی تعلیم زیادہ نہیں تھی مگر قرآن کریم کی کلاس میں بیٹھنے کا موقع ملا اور ہم نے ایک نئی زندگی پالی ہے۔ اب یہی کتاب ایک عام کتاب نہیں ہے جو اسے پڑھتے وقت مشکل ہو، جاگنا مشکل رہے اس کو تو پڑھنے کے ساتھ ساتھ ہی تمام خوابیدہ جذبات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور قرآن کی تائید میں اور اس کی حکمتوں کی تائید میں فطرت کا لفظ لفظ بولتا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو قرآن کی تعریفیں ہیں اگر آپ ان کو سمجھیں بھی نہیں تو حیرت سے دیکھیں گے اور آپ کی بوریت میں ذرا بھی فرق نہیں آئے گا۔ آپ کہیں گے یہ کوئی عارف باللہ آدمی ہے اس کو مزہ آرہا ہوگا مگر قرآن کریم کا مزہ اٹھانے کے لئے جو بڑے بڑے مرتبے اور مقام کی ضرورت ہے وہ ہمیں نصیب ہی نہیں حالانکہ کسی بڑے مرتبے اور مقام کی ضرورت نہیں دین العجائز کی ضرورت ہے۔ عجز اور انکساری کے ساتھ قرآن کریم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی ضرورت ہے، اپنا سر جھکا دیں اور غور سے پڑھیں اور آیات کے تسلسل پر غور کریں تو حیران رہ جائیں گے کہ قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہیں کہ پہلے انسان کے وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کس طرح تعلیم مسلسل آگے بڑھ رہی ہے اور ایک بات اگلی بات سے منسلک ہوتی چلی جا رہی ہے یہ ڈوریاں ہیں جو آپس میں بٹی جا رہی ہیں۔

اور اس کا ایک علاج میں آپ کے سامنے یہ رکھ رہا ہوں کہ اگر آپ کو ایم ٹی اے کے ذریعہ سننا ممکن نہیں تو غالباً یہاں امریکہ میں **ان قرآن کریم کی کلاسز کی ویڈیو ریکارڈنگ ہو چکی ہو گی۔ اگر ہو چکی ہے تو لازماً گھروں کو مہیا کرنی چاہئے۔** یہ بھی کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں کہ کسی ایک وقت میں ان ویڈیوز کو چلا دیا جائے مگر ہر ایک کے اوقات الگ الگ ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر روز اس وقت وہ گھر ہی ہو سارا خاندان بھی کہیں سفر پر جا سکتا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ ان کا ریکارڈ اپنے گھروں میں رکھیں اور ترتیب کے ساتھ آپ سب لوگ مل جل کر بیٹھیں اور سننا شروع کریں۔ اگر دس سبق بھی آپ اس طرح پڑھ لیں گے تو پھر آپ کے لئے ان سبقوں سے الگ رہنا ممکن ہی نہیں رہے گا۔ طلب کریں گے کہ کب ہم اگلا سبق شروع کریں مگر پڑھیں اکٹھے اور بچوں کو ساتھ شامل کر کے پڑھیں۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرآن کریم کے متعلق 'روحانی دعوت' فرمایا اور مزے مزے کے کھانے بتائے وہ آج بھی مل سکتے ہیں، صرف پڑھنے کا طریقہ ہے۔ اور **اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جو قرآن کریم کی محبت ڈالی ہے اس دور میں میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات پر عمل کروانے میں یہ محبت ضروری تھی۔** اور جب اس کلاس میں آپ قرآن کریم کو پڑھیں گے تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اصل مقام ظاہر ہوگا۔ کتنے عظیم الشان معلم تھے۔

آپ فرماتے ہیں، "آج کل دنیا کا تو یہ حال ہے کہ قرآن شریف میں کئی ہزار حکم ہیں"۔ اب دیکھیں سات سو اور پانچ سو کی بات ختم ہو گئی۔ فرماتے ہیں "کئی ہزار حکم ہیں ان کی پابندی نہیں کی جاتی۔ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں میں خلاف ورزی کر لی جاتی ہے۔ یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ بعض جھوٹ تو دکاندار بولتے ہیں اور بعض مصالحے دار جھوٹ بولتے ہیں"۔ بعض جھوٹ تو دکاندار بولتے ہیں لیکن مصالحہ لگانا بھی ایک خاص کام ہے اور بعض دکاندار پھر مصالحے لگا لگا کے جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے اس کو رجس کے ساتھ رکھا ہے۔ اب کوئی گندی چیز ہو، ناپاک چیز ہو اس کو جتنے مرضی مصالحے لگا لیں وہ کھا تو نہیں سکتے آپ۔ اگر پتہ ہو کہ گند ہے تو گند ہی رہے گا۔ مصالحے لگانے سے وہ گند صاف نہیں ہو جائے گا۔ یہ پرانے زمانے کے ہمارے حکیموں کا طریقہ تھا کہ کوئی دوائی جو انتہائی بدمزہ ہو اس کے ساتھ گلقند ملا دیا کرتے تھے، میٹھا ڈال دیتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی مزے لے لے کے کھائے گا، وہ اپنی جہالت کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ سیدھی بات یہ ہے کہ اگر وہ دوا تلخ ہے تو ایک دفعہ کھاؤ، پانی پیو، قصہ صاف کرو۔ وہ میٹھا ملا کے اس کو آدھے گھنٹے میں ختم کرنا یہ کون سی عقل کی بات ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے اور وہ اس موقع پر ہمیشہ مجھے یاد آجاتا ہے۔ میں کئی دفعہ سنا چکا ہوں لیکن پرانے بزرگوں کی پیاری پیاری باتیں یاد رکھنا اچھی بات ہے۔ بار بار جب دہرائی جائیں تو ان کے لئے دعا کی بھی تحریک ہوتی ہے۔

حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں کہ ایک میرے ساتھی تھے وہ کھانا الگ سا چھپا کے کھایا کرتے تھے حالانکہ بہت بااخلاق آدمی تھے۔ تو میں نے کہا دیکھوں تو سہی کیا بات ہے تو میں اچانک گیا تو ان کی چپڑی ہوئی روٹی تھی۔ میں اٹھا کے ایک لقمہ کھانے لگا تو کہا آہاں ہاں، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کو نہیں میں نے یہ روٹی کھانے دینی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اتنے ہی زیادہ شرمندہ ہوتے جائیں اور اتنا ہی اصرار بڑھتا جائے کہ ایک لقمہ تو میں کھا لوں۔ وہ کہیں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور سارا کھانا ایک طرف کر دیا۔ آخر ان کو خیال آیا کہ اتنا نیک، اتنا بزرگ، اتنا سخی انسان کوئی بات ہے جو مجھے یہ کھانا نہیں کھانے دے رہا۔ پوچھا کہ بتائیں کیا بات تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ مجھے ڈاکٹر نے Cod-Liver Oil (مچھلی کا تیل) کھانے کا حکم دیا اور اتنا بدبودار ہے کہ میں وہ کھا ہی نہیں سکتا۔ تو میں نے یہ ترکیب سوچی کہ گھی کی بجائے روٹیاں اس سے چپڑ لوں اور روٹیاں چپڑ چپڑ کے ان کو گلے سے اتاروں۔ تو یہ بھی ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ والے گندے لوگ گند کو نئے نئے طریقوں کے ساتھ کھاتے ہیں مگر گند تو گند ہی رہے گا وہ تو نہیں کبھی ہٹے گا۔ کہتے ہیں "ہنسی کے طور پر لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ انسان صدیق نہیں کہلا سکتا جب تک جھوٹ کے تمام شعبوں سے پرہیز نہ کرے"۔ اب اس کا آغاز ہزارہا حکموں کی بات سے ہوا تھا۔ اب جھوٹ کے تمام شعبوں سے اگر آپ پرہیز کریں تو بتائیں کتنے شعبے بن جائیں گے۔ روزمرہ کی انسانی زندگی میں بے شمار مواقع آتے ہیں جب انسان صاف گوئی اور سچائی سے کام نہیں لیتا بلکہ جھوٹ کی پناہیں ڈھونڈتا ہے اور اس میں سے ہر دفعہ، ہر موقع پر جھوٹ اپنی ذات میں ایک الگ گناہ بن جاتا ہے۔ جن حالات میں وہ بولا گیا، کن کے سامنے بولا گیا، کیا کیا مقصد تھا وغیرہ وغیرہ۔ تو ایک جھوٹ کے شعبے بھی اتنے ہیں جو شمار نہیں ہو سکتے۔ اور اس کے علاوہ جب آپ قانون قدرت پر غور کریں اور زمین و آسمان میں جو قرآن کریم نے گہری حکمتوں کے راز بیان فرمائے ہیں تو ساری کائنات کا مطالعہ آپ پر اتنا ہی زیادہ شکر کو لازم کرے گا۔ بے انتہا چیزیں ملیں گی کہ جب ان پر غور کریں گے تو دل شکر سے بلیوں اچھلے گا۔ تو اسی لئے احکامات کو گننا چھوڑ دیں۔ ان کی گنائی ممکن ہی نہیں۔ جتنے اللہ کے احسان اتنے ہی زیادہ خدا تعالیٰ کے ہاں اوامر اور نواہی ملتے ہیں۔ اور قرآن کریم میں یہ جو آتا ہے کہ اگر سمندر سیاہی ہو جاتے اور میرے کلمے لکھتے تو وہ سیاہی خشک ہو جاتی خواہ سات سمندر اور آجاتے مگر کلمات کو لکھ نہیں سکتے تھے۔ پس یہ احکام ہیں، کلمات الٰہی جن کی کوئی حد نہیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کلمات کو سمجھنے اور ان کو پڑھ کر اس کے ساتھ جو شکر وابستہ ہیں وہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆......☆......☆

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام (مرحوم)

تحریر: پروفیسر پرویز ہود بھائی　　اردو ترجمہ: سید قمر سلیمان

نومبر ۱۹۹۷ء میں مکرم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی یاد میں ٹریسٹ میں جو میٹنگ ہوئی اور جس میں اس انسٹی ٹیوٹ کا نام ڈاکٹر سلام کے نام پر رکھا گیا۔ اس میں پاکستان کے ایک فزکس کے پروفیسر جناب پرویز ہود بھائی نے بھی ایک مقالہ پڑھا تھا۔ جس کا خاکسار نے ترجمہ کیا ہے اور ان سے اشاعت کی اجازت حاصل کر لی ہے۔ چنانچہ اس کی اشاعت کی اجازت دیتے ہوئے مکرم پرویز ہود بھائی صاحب لکھتے ہیں:

"۱۹؍ نومبر تا ۲۲؍ نومبر میں ٹریسٹ سلام میموریل میٹنگ میں شمولیت کے لئے گیا ہوا تھا۔ پہلے روز تو String Theory اور Cosmology پر بہترین مواد سننے کو ملا۔ Sciama, Veneziano, Green, Seiberg ...... تیرا دن سلام صاحب کی یادوں کے لئے منسوب تھا۔ میرا مضمون درج ذیل ہے جو باقی مضامین سے ذرا مختلف ہے۔ اتنا مختلف کہ اس مضمون کو پڑھنے سے ایک گھنٹہ قبل مجھے خیال ہوا کہ اسے نہ پڑھوں مگر پھر میں نے ارادہ تبدیل کردیا۔ میرے بعض ہم وطن اس پر بہت جز بز ہوئے۔ چلو ہوتے رہیں۔ اس ڈھانچے کو الماری سے کسی نہ کسی روز تو باہر نکلنا ہی ہے۔ ابھی مجھے پتہ نہیں کہ میں اسے چھپواؤں گا بھی یا نہیں لیکن آپ کو اجازت ہے کہ جسے مرضی اس سے مستفیض کروائیں ــــــ پرویز"۔　　(سید قمر سلیمان)

یہ میموریل میٹنگ پروفیسر عبدالسلام کی یاد میں منعقد ہوئی ہے اور اس سنٹر کا نام عبدالسلام سنٹر آف فزکس رکھا جارہا ہے۔ اور اس صدی میں میرے علم کے مطابق کوئی ایسا Physicist نہیں جسے اس طور پر سراہا گیا ہو۔ بجا طور پر آج پروفیسر سلام کی تعریف میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ میں یہاں ڈاکٹر سلام صاحب کی شاندار کامیابیوں کی بجائے ان کی ایک بڑی ناکامی کا ذکر کروں گا۔ اس سے میری مراد ان کی پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں سائنس کو فروغ دینے کی موہوم تمنا ہے۔ گزشتہ تین روز میں یہاں جن شاندار موضوعات پر گفتگو ہوئی ہے اس میں میری کڑوی کسیلی گفتگو کی تین وجوہات ہیں۔

پہلی تو یہ کہ سلام صاحب بڑی شدت سے اس بات کے قائل تھے کہ آج کل کے معاشرے میں مادی اور ثقافتی ترقی کا انحصار موجودہ سائنس پر ہے۔ اور ان کی تمنا تھی کہ تمام دنیا کے ممالک عموماً اور ان کا اپنا وطن خصوصاً اس سے استفادہ کرے۔ چنانچہ اس موہوم خواہش کو پورا نہ کر سکنے کا یہاں ذکر نہ کرنا بہت زیادتی ہوگی۔

دوسرے سلام صاحب کی اس ناکامی سے ان کی شخصیت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ مگر یہ ناکامی ہمیں وجوہات معلوم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ خاص طور پر ہم پاکستانیوں کو اس بات کے سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کیوں سائنسی ترقی ہم سے دامن بچا رہی ہے۔ اور کیوں ہم اس مطمح نظر سے تیس سال قبل کی نسبت زیادہ دور ہو چکے ہیں۔ میرے نزدیک اب بھی نیک نیتی سے ان کا جواب تلاش کرنا خواہ وہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو، مستقبل میں پیش آمدہ خطرات سے بچنے کے لئے از حد ضروری ہے۔

تیسرے، میری ڈاکٹر سلام صاحب سے واقفیت تیسری دنیا کے ممالک کی سائنسی ترقی کے حوالے سے ہی ہوئی۔ گزشتہ کئی سالوں سے میرا ان سے گفتگو اور خط وکتابت کے ذریعہ رابطہ رہا ہے۔ میری ان سے سب سے پہلی ملاقات ۱۹۷۲ء میں MIT میں انڈر گریجوئیٹ طالب علم کے طور پر ہوئی اور پھر ۱۹۷۸ء میں اس سنٹر کے دورہ کے دوران ہوئی۔ مگر یہ قابل ذکر ملاقاتیں نہیں تھیں۔ وہ اس وقت مجھے نہیں جانتے تھے اور ان کے پاس مجھے جاننے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔

۱۹۸۵ء میں اچانک مجھے ان کی طرف سے اسلام آباد میں جہاں میں پڑھاتا ہوں ایک خط ملا جس میں انہوں نے تحریر فرمایا تھا کہ انہوں نے میرا ایک مضمون جو اسلامی ممالک میں "اسلامی سائنس" کے قیام کی کوشش اور مذہبی تنگ نظری کے نتیجہ میں صدیوں پہلے کے دانشور مسلمانوں کی اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کو برباد کرنے کے بارہ میں تھا، پڑھا ہے اور مجھے فرمایا کہ جب کبھی میں اس سنٹر میں آؤں تو ان سے ضرور ملوں۔ چنانچہ اس طرح ۱۹۸۵ء کے گرما میں میرا ان سے رابطہ شروع ہوا۔ اگلے سال انہوں نے مجھے فرمایا کہ وہ اور میں مل کر Michel Moravacsik کی کتاب "On the road to Worldwide Science" کا پیش لفظ لکھیں، یہ میرے لئے بڑے فخر کی بات تھی۔ دو سال بعد سلام صاحب نے میری کتاب "Islam & Science religious orthoduxy and the battle for rationality" کا دیباچہ تحریر کیا۔ اس میں انہوں نے وضاحت سے بتایا کہ سائنسی حقائق کا صرف سائنسی نقطۂ نظر سے ہی جائزہ لیا جاسکتا ہے نہ کہ کسی مذہبی، ماورائی اور ذوقی نقطۂ نظر سے۔ مجھے خوشی ہے کہ میری اس کتاب کے ذریعہ سلام صاحب کو اپنے خیالات کے اظہار کا موقع مل گیا۔ اس سے قبل ان کی مذہب اور سائنس کے سوال پر پوزیشن لوگوں پر واضح نہیں تھی۔ مجھ سے قبل کے ایک مقرر نے سلام صاحب کا اپنی توانائیاں وقت اور مرتبہ پاکستان میں سائنس کی ترقی کی سطح بلند کرنے کے لئے خرچ کرنے کی تفصیل بیان کی ہے۔ صدر پاکستان کے سائنسی مشیر ہونے کے ناطے سلام صاحب نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے قیام میں بنیادی کام کیا۔ سیم اور تھور کے مسئلہ پر تحقیقات کا آغاز کروایا اور زرعی تحقیقات پر کام شروع کروایا۔ اور وہ سائنس پڑھنے والے افراد کے لئے ایک نمونہ تھے۔ میں اس پر صرف اتنا اضافہ کرنا چاہوں گا کہ وہ سخاوت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے بہت سے غریب طلباء کو تعلیم دلوائی۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں سکولوں، کالجوں کے لئے اپنے ذاتی اخراجات میں سے سامان سائنس خریدنے میں مدد دیتے رہے۔ اپنی نوبل انعام کی آمد میں سے ایک حصہ آپ نے کسی سائنسی میدان میں بہترین تحقیق کرنے والے محقق کے لئے سالانہ انعام عطا کرنے کے لئے مختص کیا اور ان کے مداحوں اور مختلف طلباء کی طرف سے ان کی میز پر ڈھیروں خطوط کا میں عینی شاہد ہوں۔ کسی بھی مصروف اور تخلیقی انسان کے لئے وقت سب سے قیمتی متاع ہے۔ لیکن سلام صاحب ہر خط کا حتی کہ سادہ ترین خطوط کا بھی جواب دیتے تھے۔ چنانچہ آپ کا خیال ہوگا کہ (ان سب باتوں کی وجہ سے) سلام صاحب کا درجہ پاکستان میں ایک ہیرو کا سا ہوگا۔

اس جگہ دنیا کی نظریاتی فزکس کی سب سے بڑی درسگاہ ہے جسے پروفیسر سلام کے نام سے منسوب کیا جا رہا ہے لیکن ان کے وطن میں کسی سائنسی یا کسی قسم کی درسگاہ، عمارت حتی کہ سڑک کا نام بھی ان کے نام پر نہیں رکھا گیا۔ سکول کی درسی کتب میں ان کا ذکر نہیں اور اساتذہ بچوں کو ان کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔ جعلی ہیروز کی ہر جگہ تعریف ہوتی ہے لیکن سلام صاحب کا کہیں بھی نام و نشان نہیں ملتا۔ پاکستانی دانشوروں کی اس بارہ میں نفرت اس ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے کہ میری یونیورسٹی کے ایک سابق وائس چانسلر نے تحقیر آمیز لہجے میں ایک میٹنگ میں کہا کہ "کون سلام؟، اس نے پاکستان کے لئے کیا کیا ہے؟"۔ یہ حقیقت ہے کہ پروفیسر سلام کی دنیا کے راہنماؤں سے رسم و راہ تھی۔ اقوام متحدہ کے اعلیٰ عہدیداروں، پوپ اور دیگر کئی جگہ کے۔ مگر اپنے ملک کے لیڈروں سے ملنا ان کے لئے کار دارد تھا۔ میں ۸۸ء میں اسلام آباد میں پروفیسر سلام کے ہوٹل کے کمرہ میں ان سے ملا جہاں وہ صبر کے ساتھ دو دن سے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو سے ملاقات کا انتظار کر رہے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ان سے ایک ٹی وی پروگرام میں شرکت کی درخواست کی جسے میں تعلیمی مسائل کے بارہ میں تیار کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس عظمت کے حامل انسان کو جو بیمار بھی ہو خواہ مخواہ یوں انتظار کرانا مناسب نہیں۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور سلام صاحب کا چہرہ عارضی طور پر کھل اٹھا۔ مگر بی بی کے سیکرٹری نے بتایا کہ میٹنگ منسوخ ہو گئی ہے۔

ہاں مجھے خوشی ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف نے اس میٹنگ کے لئے مبارک باد کا پیغام ارسال کیا ہے ہمیں ہمیشہ چھوٹی چھوٹی نعمتوں کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ مگر کس قیمت پر۔ مجھے یاد ہے کہ پانچ سال قبل انہی نواز شریف نے گورنمنٹ کالج لاہور کے ایک کانووکیشن میں تقریر کے دوران اس کالج کے فارغ التحصیل ہونے والی تمام اعلیٰ شخصیات کے نام لئے تھے مگر سلام صاحب کا نام اس قابل نہیں سمجھا گیا۔ دس سال قبل پروفیسر سلام صاحب Unesco کے ڈائریکٹر جنرل کا انتخاب لڑنا چاہتے تھے مگر عجیب بات ہے کہ پاکستان نے انہیں اپنی نمائندگی دینے سے انکار کر دیا حالانکہ اردن اور کویت نے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن چونکہ سلام صاحب نے اپنی پاکستانی شہریت تبدیل نہیں کی تھی اس لئے ان کے اپنے وطن کے انکار پر ان کا نمائندگی کا حق تسلیم نہیں کیا گیا۔ سرکار کی طرف سے بے مروتی اور بے توجہی کا شکار ہونے کے علاوہ سلام صاحب پر بے جا حملے اور طعن بھی کئے گئے۔ دائیں بازو کے رسائل نے ایٹمی پروگراموں کی جاسوسی کے من گھڑت الزام لگائے۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ انہوں نے نیوکلیائی راز ہندوستان کو فراہم کر دئے ہیں۔ انتہا پسند طلباء کے گروپس نے ان کی کسی یونیورسٹی کیمپس میں آمد ناممکن نہیں تو مشکل ضرور بنادی۔ مجھے اس بات کے کہنے میں شرم محسوس ہوتی ہے کہ سلام صاحب میری یونیورسٹی تشریف نہ لا سکے باوجود اس کے کہ یہاں فزکس ڈیپارٹمنٹ بہت سی باتوں میں ان کا مرہون منت ہے اور شاید یہ سارے ملک میں واحد ڈیپارٹمنٹ ہے جہاں ان کی تقاریر سمجھی جاسکتی تھیں۔ یہ تو پاکستان کا حال تھا۔ مگر ان مسلمان ممالک میں کیا صورت حال تھی جہاں تیس سال تک سلام صاحب بار بار جا کر انہیں توجہ دلاتے رہے اور سائنسی ترقی کے راستہ پر چلنے کے سلسلہ میں تلقین و ترغیب کے ذریعہ آمادہ کرتے رہے۔ ان کے ذہن میں بہت سے منصوبے تھے خصوصاً ایک عظیم الشان سکیم یہ تھی کہ انہیں اکٹھا کر کے ایک اسلامک سائنس فاؤنڈیشن بنائی جائے۔ جس کے ابتدائی اخراجات کے لئے ایک ارب ڈالرز کا فنڈ قائم کیا جائے جو اسلامی ممالک سے مشترکہ طور پر حاصل کیا جائے۔

یہ منصوبہ اس وقت ناکامی کا شکار ہو گیا جب سعودی عرب نے اس میں اپنی شمولیت ختم کر دی اور سلام صاحب اور ان کے فرقہ کے لوگوں کا وہاں داخلہ بند کر دیا گیا۔ پروفیسر سلام نے پبلک میں اس کا اعلان تو نہیں کیا لیکن اپنے دوستوں کے حلقہ میں وہ بڑی مایوسی سے اس کا اظہار کرتے تھے کہ صرف کویت اور ایران ہی اس کام کے لئے سنجیدگی سے تیار تھے۔ مجھے یقین ہے کہ حاضرین میں سے بہت سے اس بات پر حیران ہونگے کہ یہ سب کیوں ہوا؟۔

آیئے میں تفصیلاً اس بارہ میں کچھ عرض کروں۔ ۱۹۷۴ء سے قبل سلام صاحب پاکستان میں قانونی طور پر مسلمان شمار ہوتے تھے مگر آخر کار وہ ایک ایسے ملک میں غیر مسلم قرار دے دئے گئے جہاں غیر مسلم دوسرے درجہ کے شہری سمجھے جاتے ہیں۔

THOMPSON & CO SOLICITORS
Consult us for your legal requirements
such as Immigration & Nationality,
Conveyancing & Employment,
Welfare Benefits, Personal Injury,
Family & Ancillary Proceedings,,
Wills & Probate, Criminal Litigation .
Contact: Anas Ahmad Khan
204 Merton Road London SW18 5SW
Tel: 0181-333-0921 \ 0181-448-2156
Fax: 0181-871-9398

غیر مسلم دوسرے درجہ کے شہری سمجھے جاتے ہیں۔ پاکستانی قومی اسمبلی کے اس فیصلہ کی وجہ سے سلام صاحب صدر کے مشیر کے عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ انہوں نے سائنسی ادارہ جات اور مختلف افراد سے غیر سرکاری مراسم تو رکھے لیکن سرکاری حیثیت میں بے اختیار ہو گئے۔

پروفیسر سلام نے اپنی یہ جُداگانہ حیثیت کبھی بھی تسلیم نہیں کی اور اس وجہ سے وہ مذہب کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ بعض کے خیال میں یہ قابل افسوس بات تھی مگر مجھے اس پر رائے دینے کا حق نہیں ہے۔ بہرحال وقت کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے ماضی سے شدید لگاؤ ہو گیا اور پھر انہوں نے وہ کام کیا جو کسی مسلمان یا غیر مسلم نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے تاریخ کی بوسیدہ اور گرد آلود کتب میں سے ہزار سال کے عظیم مسلمان دانشوروں کی کامیابیاں ماضی کے عظیم الشان ورثے میں سے تلاش کر کے قابل فخر مثالوں کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ اس میں سب سے زیادہ زور انہوں نے اس بات پر دیا کہ یہ کامیابیاں حقیقت پسندانہ سوچ کے نتیجہ میں تھیں۔ مثلاً مجھے سلام صاحب ہی کے ایک مضمون سے بارہویں صدی کے عرب عالم دین ہیزم کے بارہ میں جسے سوائے تاریخ کے طلباء کے کوئی نہیں جانتا، علم ہوا کہ اس نے روشنی کے کسی واسطے میں موجودگی پر "Fermats principle of least action" معلوم کر لیا تھا۔ اس طرح سلام صاحب نے نوبل پرائز حاصل کرنے کی تقریب میں جو تقریر کی اس کا آغاز ایک سکاٹ مائیکل کے طلیطلہ سپین میں سفر کے ذکر سے ہوتا ہے جو وہاں تحصیل علم کے لئے پہنچا تھا کیونکہ اس زمانہ میں علم و ادب اسلامی ممالک میں خاص طور پر زوروں پر تھا۔ سلام صاحب کا مقصد ان لوگوں میں فخر اور امید کی کرن پیدا کرنا تھا جن میں یہ سب مفقود ہو چکا تھا۔ اس میں انہیں کامیابیاں نصیب تو ہوئیں لیکن یہ تھوڑی اور عارضی تھیں۔ کوئی فانی انسان تاریخ کی قوتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا خصوصاً جب ان کا رخ مستقبل کی بجائے ماضی کی طرف ہو۔

میرے نزدیک سلام صاحب دیومالائی سیفس کے انسانی صورت میں دنیا میں آمد کی مثال تھے۔ شاید آپ کو یاد ہو سیفس سزا کے طور پر اولپس کی چوٹی پر ایک بھاری پتھر لے جانے کی کوشش کرتا رہتا تھا اور جب بھی وہ چوٹی کے قریب پہنچتا تھا وہ پتھر نیچے لڑھک جاتا تھا اور وہ دوبارہ یہ مشقت شروع کر دیتا تھا۔

ایک لمبی اور تکلیف دہ بیماری سے قبل سلام صاحب بھی مسلسل اور تکلیف دہ حالات میں سائنسی ترقیات پر اپنے منصوبے مذہبی انتہا پسندوں کی پر مغرور چوٹیوں کے بالمقابل پیش کرتے رہے اور یہ حقیقت بڑی خوفناک ہے کہ سلام صاحب کو اسی رخ نے شکست فاش دی جس کی مضبوطی کے لئے وہ ہمہ تن مصروف رہے۔ ۱۹۷۴ء کے فیصلہ پر مزید گفتگو کی ضرورت ہے۔ احمدیہ جماعت اور دیگر مسلمانوں میں عقائد کے اختلاف سے ہم میں سے یہاں حاضر لوگوں کو کوئی سروکار نہیں۔ ان کا حل اتنا ہی مشکل ہے جتنا مثلاً کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں یا ایناباپٹسٹ اور کالوینسٹ میں اختلاف کا۔ یہ اختلاف متحارب گروہوں کے مابین بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جبکہ باہر والوں کے لئے بے حیثیت۔ مگر عام طور پر جیسا کہ ازمنہ وسطی کے یورپ میں بھی ہوا دینی جھگڑوں میں طاقتور گروہ کمزور کو بزور طاقت ختم کرنے یا خوفزدہ کر کے بھگا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ روایت ہے جو ہر مذہب کی تاریخ میں انسانوں پر دہرائی گئی ہے۔ اکثریت کو اقلیت کو تہہ تیغ کرنے سے روکنے کے لئے ہی یورپ میں سیکولرازم چلا۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ حکومت پاکستان نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور مذہبی عقائد کے ایک ایسے جھگڑے میں فریق بن بیٹھی جو کئی سال سے پک رہا تھا۔ بعد میں یہ ظاہر ہوا کہ ۱۹۷۴ء کا فیصلہ وہ پہلا قدم تھا جس سے ایک ایسی خطرناک ڈھلوان میں پھسلنے کا آغاز ہوا جس کا کوئی سرا نہیں۔ بہت سے اسلامی فرقے اب اپنے خلاف ظلم و ستم اور محاذ آرائی کا خدشہ محسوس کر رہے ہیں۔ تاریخ کے اوراق میں یقیناً ایک فرد پر جو گزرتی ہے اس کی تو کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی اس لئے پاکستان میں جو سلام صاحب پر گزری اس کی یا کسی فرقہ کے خلاف ظلم و ستم کی بہت زیادہ اہمیت تو نہیں مگر یہ پاکستانی معاشرہ کے انحطاط کا آغاز ہے۔

آخر میں میں یہ کہوں گا کہ فقید المثال سخاوت اور وسعت قلبی سے سلام صاحب نے بھول جانے اور معاف کرنے کا رستہ اپنایا۔ وہ بآسانی تلخ ہو سکتے تھے لیکن انہوں نے یہ راستہ نہیں اپنایا۔ ہمیں اس کا احساس کرنا چاہئے اور اس کو عزت کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ سلام صاحب خود کبھی بھی بہت آزاد خیال نہیں رہے مگر انہیں یقین تھا کہ صرف ایک آزاد قوت برداشت رکھنے والے اور کثیر العقیدہ معاشرے میں ہی سائنس پنپ سکتی ہے۔ چنانچہ ان کی خدمت میں بہترین خراج تحسین اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ ہم اپنے اپنے دائرے میں ایک ایسے عالمی معاشرے کے قیام کی کوشش کریں جہاں زمین پر رہنے والے تمام افراد کو یکساں مواقع میسر ہوں، جہاں اختلافی اور تخلیقی قوتوں کی قدر کی جائے اور اپنے اپنے مذہبی عقائد پر بلا خوف عملدر آمد کیا جا سکے۔ ☆☆☆☆

بقیہ: خلاصہ خطبہ جمعہ از صفحہ اول

انہیں کافر کہہ کر ذکر فرمایا ہے اور ایسے کافروں کے لئے رُسوا کن عذاب مقدر ہے۔

حضور نے فرمایا کہ وہ شخص جو خسیس ہو، دل کا کنجوس ہو اس میں بعض دفعہ اپنے نفس پر بھی تنگی کا رجحان غالب ہوتا ہے۔ وہ اپنے اوپر بھی خرچ نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ بعض دفعہ دنیا میں خرچ کرتے ہیں تو دکھاوے کی خاطر کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ ریاکاری کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ جو وعدوں کے وقت ریاکاری سے کام لیتے ہیں۔ اکثر لوگ جن میں ریاکاری کی علامتیں ہوں وہ ادائیگی کے وقت غائب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق میں نے ہدایت جاری کی ہے کہ ان سے کبھی بھی چندہ قبول نہ کیا جائے۔

حضور ایدہ اللہ نے احادیث نبویہ کے حوالہ سے بتایا کہ یہ بخل ہی ہے جس نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا۔ حضور نے فرمایا کہ چونکہ ہم نے زندہ رہنا ہے اور خدا کے پیغام کو اگلی نسلوں میں جاری کرنا ہے اس لئے ہمارے لئے بخل سے پرہیز نہایت ضروری ہے۔ ایک اور حدیث نبوی میں بخیل اور سخی کی مثال ان دو آدمیوں کے ساتھ دی گئی ہے جنہوں نے سینے تک لوہے کی قمیص پہنی ہو مگر سخی جب کچھ خرچ کرتا ہے تو اس کی آہنی قمیص کا حلقہ کچھ ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ بہت گہری نفسیاتی حکمت پر مبنی بات ہے۔ دنیا کی قربانیاں ہوں یا دین کی قربانیاں سخی کو اس میں لذت آتی ہے اور وہ انشراح صدر پاتا ہے۔ مگر بخیل کی قمیص اسے جکڑتی چلی جاتی ہے۔

حضور نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات بھی پڑھ کر سنائے جن میں آپ نے فرمایا کہ خدا ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخل سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے ریاکاری کی مرض سے بچنے کی دعا کرنے کی بھی نصیحت فرمائی۔ حضور نے فرمایا کہ جو لوگ ریا سے کام نہیں لیتے ان میں حیا ضروری ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص میں حیا پائی جائے تو وہ اپنی نیکی کے اظہار سے حیا کرتا ہے اور جس میں حیا نہ ہو وہ بعض دفعہ بدی سے بھی حیا نہیں کرتا۔ حضور ایدہ اللہ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ کے نہایت ایمان افروز واقعات بیان فرمائے جو خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیوں کو قبول فرمایا۔ حضور نے فرمایا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے خدا سے محبت کی خاطر اس کی وجہ سے مال خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضور نے بتایا کہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادہ سے آتا ہے۔

حضور انور نے خطبہ کے آخری حصہ میں جماعت کے مالی قربانی میں تیزی سے آگے بڑھنے کا ذکر فرمایا اور اسی طرح امریکہ میں مالی قربانی کی طرف توجہ دلانے والے خطبات کے نہایت پاکیزہ اثرات کا بھی ذکر فرمایا۔ حضور نے فرمایا کہ میں نے پیسوں کی خاطر یہ خطبات نہیں دئے تھے بلکہ لوگوں کی خاطر دئے تھے کہ لوگ اپنی اصلاح کریں اور اللہ کی نظر میں مقبول ٹھہریں۔

تصحیح

مکرم صالح محمد الہ دین صاحب کے مضمون "نشان کسوف و خسوف اور مدعیان مہدویت" مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۱۲ر جون ۱۹۹۸ء کے صفحہ ۳ کالم ۴ سطر نمبر ۲۸، ۲۹ میں ایک لفظ Mahavista شائع ہوا ہے جبکہ اصل میں یہ Mahavisva ہے۔ .... اسی طرح اسی شمارہ کے صفحہ ۴ کالم ۲ سطر نمبر ۶ میں "مغیرہ بن عجلی" کی بجائے درست نام 'مغیرہ بن سعید عجلی' ہے۔

اسی طرح آپ کے مضمون "سیدنا حضرت امام مہدی علیہ السلام کے لئے خسوف و کسوف کا الٰہی نشان سائنس کی روشنی میں" مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۲۶ر جون ۱۹۹۸ء کے صفحہ ۳ کالم ۴ سطر نمبر ۱۶ میں پورا جملہ یوں پڑھا جائے...... "۱۸۶۷ء تا ۱۸۹۲ء کوئی ایسا سال نہیں آتا جس میں دونوں گرہن رمضان میں ہوئے اور ایران سے نظر آئے"۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل یہ بھی ہے کہ ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء) میں دونوں گرہن رمضان میں ہوئے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی ایران سے نظر نہیں آسکتا تھا۔ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں دونوں گرہن رمضان میں ہوئے تھے لیکن سورج گرہن ایران سے نظر نہیں آسکتا تھا صرف چاند گرہن ۱۴ر رمضان کو نظر آسکتا تھا۔ .... اسی مضمون میں اس شمارہ کے صفحہ ۱۲ کالم ۴ لائن ۳۸، ۳۹ میں الفاظ "عالم الغیب والشھادۃ" شائع ہوئے ہیں۔ جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس جگہ والشھادۃ کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس لئے صرف 'عالم الغیب' پڑھا جائے۔

ادارہ ان فرو گذاشتوں پر معذرت خواہ ہے۔

MTV Muslim AHMADIYYA

SATELLITE WAREHOUSE

CNN

Watch Huzur everyday on Intelsat
We deal with systems available for all satellites in the world
Receivers, Decoders, Dishes, Smart Cards,
Installations and Much, Much More

Mail Order and International Export Service Available
We accept credit cards
Call for competitive prices
Contact us for details at:

SKY

Signal Master Satellite Limited
Unit 1A- Bridge Road, Camberley
Surrey GU15 2QR ENGLAND
Tel: (01276) 20916 Fax: (01276) 678740

ZEE TV

TEXINS International Ltd

Best quality Poly/Cotton, Printed Bed-sets in various designs

Available at lowest prices

Double Bed-set £6-00 (each) Single Bed-set £5-00(each)

To view & Purchase Contact

0181-870-2786 - 0958-513810

Stockists & Wholesalers Welcome at Wholesale Prices

صبر و استقامت

(محمود مجیب اصغر)

صبر اور استقامت تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں جن کا عمومی مفہوم بے پناہ برداشت، تکالیف و مشکلات میں ثابت قدم رہنا، صبر و استقلال کے ساتھ مصیبتیں برداشت کرنا، منہ پر شکایت نہ لانا، مصائب و مشکلات میں گھبرا کر اپنے کام میں سست نہ ہونا، خدا تعالیٰ پر کامل توکل رکھنا اور کسی کے رعب میں نہ آنا وغیرہ لیا جاتا ہے۔ اسے حقیقی شجاعت بھی کہتے ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فرمایا ہے:

"حقیقی شجاعت کی جڑ صبر اور ثابت قدمی ہے اور ہر ایک جذبۂ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی طرح حملہ کرے اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا اور بزدل ہو کر بھاگ نہ جانا یہی شجاعت ہے"۔(اسلامی اصول کی فلاسفی)

ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو صبر واستقامت ہے جس کا نہایت اعلیٰ اور اکمل نمونہ دنیا نے مشاہدہ کیا بالخصوص مکی زندگی میں جب کہ دشمن کے مظالم کے مقابل پر تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔

آنحضرت ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعویٰ نبوت کے بعد تین سال تک حضور نے توحید کا پیغام اپنے ملنے جلنے والوں تک ہی محدود رکھا جس کے لئے خفیہ تبلیغ کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اس عرصہ کے دوران حضورؐ کے گھر والوں کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ اور چند ملنے جلنے والے ایمان لے آئے اور مکہ کے ماحول میں حیرت اور تعجب کا بعض حلقوں کی طرف سے اظہار ہونے لگا۔ تین سال بعد حضورؐ نے الٰہی منشاء کے ماتحت کھلم کھلا تبلیغ کا آغاز کیا اور ایک طرف حضورؐ نے قریش کے تمام قبائل کو پکار کر اکٹھا کیا اور کوہ صفا پر چڑھ کر پیغام حق پہنچایا اور دوسری طرف اپنے خاندان کے افراد کو دعوت پر اکٹھا کر کے بت پرستی چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم ہونے کے لئے کہا جس کا جواب تمسخر اور گالی گلوچ کی شکل میں دیا گیا لیکن حضور گھبرائے نہیں بلکہ اسلام کے پیغام کو مکہ کے ہر طبقہ تک پہنچانے کا عزم کیا۔ جلد ہی چند سعادت مند لوگ اس پیغام کو قبول کرنے لگے جن میں زیادہ تر وہ غریب لوگ شامل تھے جو رؤوساء مکہ کے زر خرید غلام تھے۔

اس پر رؤساء مکہ سخت برہم ہوئے اور تشدد پر آمادہ ہو گئے۔ جب مکہ کے گلی کوچوں میں اسلام کا عام چرچا ہونے لگا تو رؤساء قریش میں سے بعض لوگوں نے حضورؐ کے چچا حضرت ابوطالب کے پاس جا کر پہلے نرمی سے اور پھر دھمکی دے کر حضور کے تبلیغ بند کرنے کے متعلق اصرار کیا۔ حضرت ابوطالب حضورؐ کے لئے بمنزلہ باپ کے تھے انہوں حضور کو صورت حال سے آگاہ کیا مگر حضورؐ استقامت اور ہمت و عزم کی مضبوط چٹان ثابت ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا:

"اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو پھر بھی میں اس کام کو بند نہیں کر سکتا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے"۔

بالآخر رؤساء قریش نے حضور کو براہ راست حکومت، مال و متاع، خوبصورت ترین لڑکی سے شادی کی پیشکش کی جسے حضور نے ٹھکرا دیا اور فرمایا:

"مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے شرک کو دور کرنے کے لئے مامور کیا ہے جو مصیبت اور تکلیف تم دینا چاہتے ہو دے لو۔ میں اس فرض کو پورا کروں گا"۔

اس پر عرب جیسی جاہل اور وحشی قوم نے سخت معاندانہ رویہ اختیار کر لیا اور قریش کے سرداروں نے مکہ کے اوباشوں اور خود سر لوگوں کو اکسایا کہ جس طرح بھی ہو وہ حضور کو تنگ کریں۔ چنانچہ رستے چلتے ہوئے وہ حضور کے آگے اور پیچھے آوازے کستے۔ حضورؐ کا نام گرامی محمدؐ بگاڑ کر مذمم یعنی بدنام اور مذمت شدہ پکارتے۔ ہنسی اور مذاق اڑاتے، مجنون کاہن اور ابتر کہتے، گھر پر پتھر پھینکتے، دروازے پر کانٹے بچھاتے، گھر کے اندر گندی اور بدبودار چیزیں پھینکتے۔ ایک عورت گھر کے اندر صفائی کر کے کوڑا کرکٹ حضور پر پھینکتی۔ جب عملاً تکلیف پہنچتی تو معاندین خوش ہوتے اور قہقہے لگاتے۔ ایک بار حضور خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، جب سجدہ میں گئے تو ایک معاند نے اونٹ کی اوجھڑی حضور کی گردن پر رکھ دی جسے آکر آپ کی پیاری بیٹی فاطمہ نے ہٹایا۔ ایک بار حضور تبلیغ کر رہے تھے کہ ایک معاند نے حضور کے گلے میں پٹکا ڈال کر اس طرح مروڑا کہ دم گھٹنے لگا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے آکر چھڑایا۔ حضور کے بیوی بچوں کو دکھ دینے کے لئے حضور کے معاند چچا ابولہب نے اپنے دو بیٹوں سے حضور کی دو صاحبزادیوں کو طلاق دلوا دی جن سے ان کا نکاح ہو چکا تھا۔ حضور کے اہل بیت پر بھی طرح طرح کے ظلم روا رکھے گئے۔ ادھر صحابہ کو اپنے آقا سے الگ کرنے کے لئے انہیں مظالم کا نشانہ بنایا گیا، ان کو بے دردی سے مارا پیٹا گیا۔ بعض کو وحشیانہ طور پر قتل کیا گیا۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ ان کے مال و متاع چھین لئے۔

لیکن یہ تمام مصائب اور مشکلات جن کا تصور کر کے چودہ سو سال بعد پیدا ہونے والے انسان کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں حضورؐ کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔ حضور مسکراتے چہرے کے ساتھ سب دکھ سہتے رہے اور پورے انہماک سے دعوت الی اللہ کے کام میں لگے رہے اور صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا۔ دعاؤں میں مشغول رہے اور صحابہ کو بھی صبر کی تلقین کی۔

ایک روز حضورؐ خانہ کعبہ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ کچھ غلام اور دوسرے صحابہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا، "یارسول اللہ! مسلمانوں کو قریش کے ہاتھوں اتنی تکلیف پہنچ رہی ہے آپ ان کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے؟"۔ حضورؐ اٹھ بیٹھے چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا:

"دیکھو تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کا گوشت لوہے کے کانٹوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں تک صاف کر دیا گیا مگر وہ اپنے دین سے متزلزل نہیں ہوئے او وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سروں پر آرے چلا کر ان کو دو ٹکڑے کر دیا گیا مگر ان کے قدموں میں لغزش نہیں آئی۔ دیکھو خدا اس کام کو ضرور پورا کرے گا حتی کہ ایک شتر سوار صنعاء (شام) سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو سوائے خدا کے اور کسی کا ڈر نہ ہو گا۔ مگر تم جلدی کرتے ہو"۔(بخاری)

ایک اور موقع پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف مع چند دوسرے صحابہ کے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا، "یارسول اللہ! ہم مشرک تھے تو معزز تھے اور کوئی ہماری طرف آنکھ تک نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن جب سے مسلمان ہوئے ہیں کمزور و ناتواں اور ذلیل ہو گئے ہیں اور کفار کے مظالم سہنے پڑتے ہیں ہمیں کفار کا مقابلہ کرنے کی اجازت دیں"۔

حضورؐ نے فرمایا "اِنِّی اُمِرْتُ بِالعَفْوِ فَلَا تُقَاتِلُوْا"۔ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو کا حکم دیا گیا ہے پس میں تم کو لڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

معاندین کی مزاحمت اور تشدد کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کا ذکر سرزمین عرب میں دور دور تک پہنچنے لگا۔ لوگ تحقیقات کے لئے خود مکہ آنے لگے۔ قریش روز بروز ظلم و تشدد میں اضافہ کرنے لگے۔ حضرت بلالؓ کو تپتی ریت پر گھسیٹا جاتا اور سینے پر پتھر رکھے جاتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کریں لیکن وہ احد، احد کہتے رہتے۔ حضرت خبابؓ کو دہکتے کوئلوں پر لٹایا جاتا کہ وہ محمد رسول اللہ کا انکار کریں حتی کہ ان کے بدن سے چربی پگھل پگھل کر کوئلوں کو ٹھنڈا کر دیتی لیکن قریش کے سرداروں کی وحشت و بربریت ٹھنڈی نہ ہوتی اور اس طرح کے بیسیوں واقعات ہوتے رہے۔

ان حالات میں سن ۵ نبوی میں گیارہ مرد اور چار عورتیں حضورؐ کی اجازت سے بحر احمر پار کر کے حبشہ کو ہجرت کر گئے جہاں ایک عادل اور رحمدل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔

اِدھر دشمن بانیٔ اسلام اور ابتدائی مسلمانوں کو مٹانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا اُدھر سن ۵ نبوی میں ہی اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ایک عظیم الشان روحانی سفر کے دوران جو ساتوں آسمان پار کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کی انتہائی بلندیوں تک تھا اپنی ہونے والی اُمت دکھائی جس نے سارے آفاق کو گھیر رکھا تھا۔

اس معراج نبوی کے بعد حضورؐ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں وسعت پیدا کر دی اور مکہ کے دور دراز قبائل میں جو رذائل اخلاق اور خونریزی اور بے باکی میں بہت مشہور تھے حضور بے دھڑک تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے۔ اب تک حضور پر ایمان لانے والے زیادہ تر غرباء تھے لیکن سن ۶ نبوی کے آخر میں مکہ کے دو رؤسا یعنی حضور کے چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب کے ایمان لانے کی وجہ سے کفار مکہ بہت مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے حضورؐ اور مسلمانوں کو اور زیادہ دکھ دینے شروع کر دئے۔ مجبوراً مزید ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں بھی حضور کی اجازت سے حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ قریش نے تعاقب کیا لیکن مسلمانوں کو وہاں سے نکلوانے میں کامیاب نہ ہو سکے اس پر قریش نے حضور کو اعلانیہ قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ عرب رواج کے مطابق خاندان کا ہر فرد سارے خاندان کی حمایت اور حفاظت کا مستحق ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب کے اکثر لوگ سن ۷ نبوی میں حضورؐ اور حضورؐ کے ساتھیوں کو لے کر ابی قبیس کی پہاڑیوں کے درمیان ایک گھاٹی "شعب ابی طالب" میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے۔ یہ دیکھ کر دشمنوں نے آنحضرت ﷺ کے خاندان کا مقاطعہ کر دیا تاکہ تنگ آکر حضورؐ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا جائے۔ حضورؐ، صحابہؓ اور خاندان کے دوسرے افراد نے اڑھائی تین سال کا عرصہ شعب ابی طالب میں بھوک پیاس اور رہائش کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے نہایت صبر اور استقامت سے گزارا۔ کوئی شکایت منہ پر نہ لائے۔ اس دوران حضورؐ بنی اسرائیل کے نبی حضرت یوسفؑ کی طرح نہ صرف قید خانہ یعنی گھاٹی کے ساتھیوں کو تبلیغ فرماتے بلکہ جب موقع ملتا گھاٹی سے باہر نکل کر عام لوگوں میں تبلیغ فرماتے۔ بالخصوص حج کے دنوں میں جب کہ عرب کے مسلمہ دستور کے مطابق کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ مقاطعہ کے تین سال بعد سن ۱۰ نبوی میں بعض رؤساء مکہ کی انسانیت اس ظالمانہ فعل پر بغاوت کرنے لگی اور انہوں نے مقاطعہ ختم کر دیا۔

شعب ابی طالب سے رہائی کے جلد ہی بعد حضورؐ کے چچا حضرت ابوطالب اور نہایت غمخوار رفیقہ حیات ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی یکے بعد دیگرے وفات سے حضورؐ کے خاندان نے بھی حضورؐ کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی وجہ سے کفار مکہ اور دلیر ہو گئے۔ حضورؐ کا اپنے گھر سے باہر نکلنا تک مشکل ہو گیا۔ اب مکہ میں حضور کی بات سننے کے لئے کوئی شخص تیار نہ تھا۔ ان حالات میں حضورؐ اکیلے نہایت شجاعانہ رنگ میں طائف کے خطرناک اور صبر آزما سفر پر روانہ ہوئے تاکہ ثقیف کے قبیلہ کو پیغام حق پہنچائیں۔ لیکن جس ظلم کی ابتداء وادی صفا میں ہوئی تھی اس کی انتہا وادی طائف میں ہوئی۔ چنانچہ سخت اذیت اٹھا کر خون آلود حالت میں حضورؐ طائف کے سفر سے واپس لوٹے۔ اہل طائف تین میل تک ہمارے آقا و مولیٰ حضرت نبی معصوم ﷺ کو گالی گلوچ کرتے، دھکے مارتے اور پتھراؤ کرتے ہوئے پیچھا کرتے رہے۔ اس حالت میں بھی حضورؐ کے مبارک لبوں پر نہ گالیوں کے مقابل پر گالی اور نہ ظلموں کے مقابل پر بددعا نکلی بلکہ حضورؐ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے، "اے اللہ میری اس قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ نا سمجھ ہیں"۔ بالآخر حضور نے ایک باغ میں پناہ لی اور اپنے زخم صاف کئے اور اللہ تعالیٰ سے کچھ اس طرح مناجات کی:

"اے میرے رب میں اپنے ضعف، قوت اور قلت تدبیر اور لوگوں کے مقابلہ میں اپنی بے بسی کی شکایت تیرے ہی پاس کرتا ہوں۔ اے میرے خدا تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اور کمزوروں اور بیکسوں کا تو ہی نگہبان اور محافظ ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے .... میں تیرے ہی منہ کی روشنی میں پناہ کا خواستگار ہوں کیونکہ تو ہی ہے جو ظلمتوں کو دور کرتا اور انسان کو دنیا و آخرت کے حسنات کا وارث بناتا ہے"۔

مدینہ میں ایک بار حضور نے حضرت عائشہؓ کو بتایا کہ "عائشہ تیری قوم کی طرف سے مجھے بڑی بڑی سخت گھڑیاں دیکھنی پڑیں" اور پھر حضور نے سفر طائف کے حالات سنائے اور فرمایا:

اس سفر سے واپسی پر میرے پاس پہاڑوں کا

باقی صفحہ نمبر۹ پر ملاحظہ فرمائیں

داعیان الی اللہ کے لئے

داعیان الی اللہ کی خصوصی تربیتی ضروریات کے پیش نظر ہم اس کالم میں متفرق عنوانات کے تحت اہم و مستند حوالہ جات، علمی ، دینی و دلچسپ تبلیغی نکات اور دعوت الی اللہ سے متعلق ایمان افروز واقعات وغیرہ وقتاً فوقتاً شائع کئے جائیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین اس کالم کو مفید پائیں گے ۔ (ادارہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام دیگر انبیاء کے ساتھ

عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَؓ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَهُم عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِهٖ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَطِيمِ وَ رُبَّمَا قَالَ فِي الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا...... ......قَالَ فَانْطَلَقَ بِي جِبْرِيْلُ حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ الدُّنْيَا............

فَإِذَا فِيْهَا آدَمُ فَقَالَ هٰذَا أَبُوْكَ آدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ ...... إِذَا يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَهُمَا ابْنَا الْخَالَةِ قَالَ هٰذَا يَحْيٰى وَ عِيْسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالَا مَرْحَبًا بِالْأَخِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ...... الخ

(بخاری بنیان الکعبة باب المعراج)

ترجمہ: حضرت مالکؓ بن صعصعہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اسراء کی رات کے بارہ میں بتایا کہ میں خانہ کعبہ کے کسی حصہ حطیم یا حجر میں لیٹا ہوا تھا......... کہ مجھے جبریل علیہ السلام لے کر چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان پر آئے......... وہاں میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا۔ جبریلؑ نے کہا یہ آپ کے باپ آدم ہیں انہیں سلام کہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا نیک بیٹے اور نیک نبی کو خوش آمدید۔ پھر ہم اور بلند ہوئے اور دوسرے آسمان پر پہنچے......... تو کیا دیکھتا ہوں کہ یحیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام دونوں خالہ زاد بھائی (موجود) ہیں۔ جبریل نے کہا یہ یحیٰ اور عیسیٰ ہیں ان کو سلام کہیں۔ میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا اور کہا نیک بھائی اور صالح نبی خوش آمدید۔ (اس کے بعد اگلے آسمانوں کی سیر روحانی کا ذکر ہے)۔

تشریح: بخاری اور مسلم نے اس حدیث کی صحت پر اتفاق کرتے ہوئے اسے صحیحین میں درج کیا ہے۔ نسائی میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کا رفع بھی دیگر انبیاء کی طرح ہوا۔ وہ خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں گئے اور دوسرے انبیاء کی طرح وفات یافتہ ہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کے لئے الگ مقام مقرر ہوتا کیونکہ زندہ اور فوت شدہ الگ الگ مقام پر رہتے ہیں۔ لیکن واقعہ اسراء میں نبی کریم ﷺ کا ان کو دیگر وفات یافتہ انبیاء کی روحوں کے ساتھ دیکھنا بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی دیگر انبیاء کی طرح فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ اس رات فوت ہوئے جس رات حضرت عیسیٰ بن مریم کی روح آسمانوں پر اٹھائی گئی یعنی ۲۷ر رمضان کی رات۔

(الطبقات الکبریٰ از علامہ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۳۹ مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح کے ساتھ خارق عادت طور پر معراج کا واقعہ پیش آیا۔ جب کہ دیگر انبیاء کی ارواح وفات کے بعد جسم سے جدا ہو کر آسمان کی طرف بلند ہوئیں اور اپنے مقام پر جا ٹھہریں۔

(زادالمعاد فی ھدی خیر العباد از علامہ ابن قیم جلد اول صفحہ ۲۰۳ مطبع نظام کانپور)

حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات آدم صفی اللہ اور یوسف صدیق اور موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون حلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین کو آسمانوں میں دیکھا تو ضرور بالضرور ان کی روحیں ہی تھیں۔ (کشف المحجوب صفحہ ۳۱۷ مطبوعہ کشمیری بازار لاہور)

پس حدیث معراج سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی دیگر انبیائے کرام کی طرح طبعی موت کے بعد روحانی رفع ہوا ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی ابدی جنت میں داخل ہو چکے ہیں جہاں سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے اور جہاں سے کبھی کوئی واپس آیا، نہ آئے گا۔

☆......☆......☆

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک غیر مطبوعہ خواب

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک غیر مطبوعہ تحریر ملی ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک خواب درج فرمایا ہے۔ یہ خواب پہلے سلسلہ کے لٹریچر میں شائع شدہ نہیں۔ جماعت کی اطلاع کے لئے یہ خواب ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:۔

"اور ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سبزہ زار ہے۔ اس میں کسی قدر فاصلہ پر مجھ سے ہمارے سید و مولیٰ نبی عربی ﷺ مع امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے کھڑے ہیں۔ تب امام حسین میری طرف آئے اور مجھ سے عربی میں باتیں کیں اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ من ھذا یعلم لساننا۔ تب آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ھو مناھو احد منا۔ تب میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت ﷺ نے روحانی تعلق اور رشتہ کی طرف اشارہ کر کے امام حسین کو سمجھا دیا کہ اس کو مجھ سے اور تجھ سے ایک روحانی مناسبت ہے"۔ (ناظر اشاعت)

مکتوب آسٹریلیا

(چوہدری خالد سیف اللہ خان، نمائندہ الفضل انٹرنیشنل آسٹریلیا)

قدرتی گھڑیاں

اڑھائی لاکھ ڈالر کی نیلم الیکٹرانک گھڑی

پرتھ آسٹریلیا کے سائنس دانوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے دنیا کا سب سے زیادہ صحیح وقت دینے والا ٹائم پیس ایجاد کر لیا ہے۔ اس کی صحت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ یہ ان ایٹمی گھڑیوں سے بھی ایک ہزار گنا زیادہ درست وقت بتاتا ہے جو دنیا کے بین الاقوامی معیاری وقت جی ایم ٹی (Greenwich Mean Time) کو ماپنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ گھڑی اس حد تک صحیح ہے کہ ایک سیکنڈ کے دس لاکھ اربویں حصہ (Millionth of a Billionth of a second) کو بھی ماپ سکتی ہے۔

زمین کی کشش ثقل (Gravity) سے وقت بدل جاتا ہے۔ چنانچہ زمین سے جتنا اونچا آپ اٹھتے جائیں گے وقت اتنا ہی تیزی سے گزرے گا۔ گھڑی کے موجدوں کا دعویٰ ہے کہ یہ گھڑی ایک اونچی عمارت کی پہلی اور آخری منزل کے وقت کا فرق بھی بتا سکتی ہے (خواہ یہ سیکنڈ کا لاکھواں حصہ ہو) آئن سٹائن کے عمومی نظریہ اضافت (General Theory of Relativity) سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ انسان کے سر اور پاؤں کے درمیان بھی وقت کا فرق ہونا چاہئے۔ اس تھیوری نے مطلق وقت (Absolute Time) کے تصور کو ختم کر دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں ہر جگہ ایک ہی جتنا وقت نہیں گزرتا۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ "خلا و وقت" کا خط منحنی (Space-Time Curve) کشش ثقل (Gravity) کی وجہ سے ٹیڑھا ہو جاتا ہے اور اس ٹیڑھے پن کی وجہ سے وقت گزرنے کی رفتار پر بھی فرق پڑ جاتا ہے۔

یونیورسٹی آف ویسٹرن آسٹریلیا پرتھ کے پروفیسر David Blair نے کہا ہے کہ ہمارا نصب العین یہ ہے کہ ہم ایک ایسی گھڑی بنائیں جو ایک میٹر کے فاصلہ کے وقت کے فرق کو بھی ظاہر کر سکے۔

اس گھڑی میں چونکہ نیلم ہیرا استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کو کو Saphire Clock کہا جاتا ہے۔ گھڑی کی صحت کا راز نیلم کی صفائی میں مضمر ہے۔ کہتے ہیں اگر نیلم کا کوئی بہت ہی شفاف کرسٹل ہو تو وہ صاف ترین شیشہ سے بھی ایک لاکھ گنا زیادہ شفاف ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مائیکروویو لہروں کے گزرنے کے لئے یہ شفاف ترین چیز ہے۔

اس گھڑی کے اندر ایک انسانی مٹھی کے سائز کا نیلم کا بنا ہوا سلنڈر ہوتا ہے جس میں مائیکروویو لہریں داخل کی جاتی ہیں۔ یہ لہریں اپنی صدائے بازگشت (Echo) پیدا کرتی ہے جن کو ایک حساس آلہ (Detector) وصول کرتا ہے۔ یہ آلہ اتنا حساس ہوتا ہے کہ یہ گیارہ ارب سائیکل (Cycle) (چکر) ایک سیکنڈ میں وصول کر سکتا ہے۔ ان لہروں کو الیکٹرانک آلات کے ذریعہ گن کر وقت معلوم کیا جاتا ہے۔

ایٹمی کلاک

آجکل دنیا کا معیاری وقت "جی ایم ٹی" ایٹمی کلاکوں سے ماپا جاتا ہے۔ یہ گھڑی جدید نیلم گھڑی سے صحت میں پیچھے ہوگی لیکن ان کا معیار بھی حیران کن ہے۔ ایٹمی گھڑی کئی ہزار سال میں صرف ایک سیکنڈ کا فرق ڈالتی ہے۔

سائنس دان کافی عرصہ سے اس تلاش میں رہے کہ وہ کوئی ایسا آلہ ایجاد کر سکیں جو بالکل صحیح وقت دے اور اس پر کشش ثقل، جگہ، حرکت، ٹوٹ پھوٹ اور درجہ حرارت کا اثر نہ ہو۔ یا بہت کم اثر ہو۔ ان سب سوالوں کا جواب انہیں خود ایٹم کے اندر ہی مل گیا۔ انہوں نے معلوم کیا کہ بعض عناصر (Elements) ایسے ہیں کہ ان میں سے جو لہریں خارج ہوتی ہیں وہ نہایت باقاعدہ اور منظم اور عین بروقت ہوتی ہیں۔ اگر ان لہروں کی تعداد کو ماپا جا سکے تو وقت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سیزیم (Cesium) ایک ایسا عنصر ہے کہ اس میں سے ایک سیکنڈ میں نو ارب سے کچھ زائد (9,192,631,770) لہریں خارج ہوتی ہیں۔ چنانچہ لہروں کو گننے کے کاؤنٹر کے ذریعہ صحیح وقت معلوم کیا جاتا ہے۔

نظام شمسی کا کلاک

کارخانۂ عالم کا نظام اتنا منضبط اور باقاعدہ ہے کہ سب کام عین وقت پر سرانجام پاتے ہیں۔ ایک گھڑی اس نظام شمسی کی ہے جس کا حصہ ہماری زمین ہے۔ اس کے وقت کو Asronomically Defined Universal Time کہا جاتا ہے۔ یعنی سورج اور چاند وغیرہ کی رفتار سے وقت ماپنا یعنی وہ نسبتی رفتار جو زمین اور سورج کے درمیان ہے اس سے وقت کا اندازہ لگانا۔ ہماری زمین سورج کے گرد ایک سال میں چکر پورا کرتی ہے اس ایک سال کو Tropical Year یا کیلنڈر کا سال کہا جاتا ہے۔ یہ سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۶ سیکنڈ کا ہوتا ہے۔ لیکن ان سالوں میں سیکنڈ یا اس سے کچھ کم فرق پڑ جاتا ہے جس کی کئی وجوہات ہیں مثلاً زمین اپنے محور کے گرد کبھی کبھی "ڈگمگاتی" ہے۔ یہ اپنے محور (Axis) پر جھکی ہوئی ہے۔ اس کا مدار (Orbit) سورج کے گرد گول نہیں بلکہ بیضوی (Oval Shaped) ہے جس کی وجہ سے جب زمین سورج کے قریب ہوتی ہے تو نسبتاً زیادہ تیز دوڑتی ہے۔ پھر زمین کے سمندروں پر چاند کی کشش ثقل (Gravity) سے مدوجزر پیدا ہوتا ہے اور جو لہریں اٹھتی ہیں ان کی باہمی رگڑ کی وجہ سے بھی زمین کی رفتار کچھ دھیمی ہو جاتی ہے۔ زمین کے بطن (Core) میں جو مائع مادہ ہے اس کی وجہ سے بھی کبھی زمین کی حرکت بے قاعدہ ہو جاتی ہے۔

☆......☆......☆

فزکس کے افق کا ایک روشن ستارہ

نسیم بابر شہید

شاہد محمود ملک۔ سویڈن

مجھے نسیم بابر صاحب کا باقاعدہ پہلا احمدی شاگرد اور آپ کے ابتدائی شاگردوں میں سے ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ برادرم منور احمد اور ناصر احمد نے بھی ضرور اس علم کی بہتی ندی سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ لیکن باقاعدہ کالج کے سٹوڈنٹ اور پروفیسر کا رشتہ ہمارے ہی نصیب میں آیا۔

ڈاکٹر صاحب سے پہلی ملاقات کچھ اتنی خوشگوار نہیں کہ ہم اس پر فخر کرسکیں لیکن اس سے وابستہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا ایک ایسا پہلو سامنے آتا ہے کہ شاگردی پر ناز ہوتا ہے۔ یہ غالباً ۱۹۷۴ء کی بات ہے جب میں ایف جی سرسید کالج راولپنڈی میں ایف۔ ایس۔ سی کا طالب علم تھا۔ والد صاحب کی ٹرانسفر ایبٹ آباد سے راولپنڈی ہوئی تو ہمارا خاندان بھی راولپنڈی منتقل ہوگیا۔ مائیگریشن کرواکے سرسید کالج میں داخلہ لیا۔ راولپنڈی کی جماعت سے ابھی شناسائی نہیں ہوئی تھی۔ ہوا یوں کہ ہمارے فزکس کے پروفیسر ٹرانسفر ہوکر چلے گئے اور نسیم بابر صاحب نے ان کی جگہ لی۔ صبح صبح ہمیں پتہ چلا کہ فزکس کے نئے استاد آئے ہیں۔ لڑکوں نے پروگرام بنایا کہ نئے استاد پر دہشت بٹھائی جائے۔ بھٹو صاحب کا زمانہ تھا۔ طالب علموں کو بے لگام قسم کی نئی نئی آزادی ملی ہوئی تھی۔ کالجوں میں لیڈری چمکانے کے لئے اس قسم کی حرکتیں شروع ہوگئی تھیں۔ جس نے جتنا قانون توڑا یا استاد سے بدتمیزی کی اتنا ہی بڑا لیڈر ٹھہرا۔ کچھ شعور کی کمی بھی ہم میں تھی۔ تھے جو ہم آخر فسٹ ایئر فول۔ پیریڈ بدلا۔ اور فزکس کا پیریڈ شروع ہوا۔ ایک لڑکے نے کاغذ پر کچھ لکھا۔ اور بابر صاحب کے کلاس میں داخل ہونے سے قبل کاغذ چاقو کی نوک پر ڈائس پر گاڑ دیا۔ بابر صاحب کلاس میں آئے۔ بہت اطمینان سے چاقو بند کرکے جیب میں ڈالا۔ کاغذ پر نظر ڈالے بغیر مروڑ کر ایک طرف پھینک دیا۔ حاضری لی اور لیکچر شروع کردیا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بابر صاحب کی اپنی زندگی کا پہلا لیکچر بھی یہی تھا۔ اس اطمینان پر لیڈر ٹائپ لڑکوں کو بہت خفت ہوئی۔ جس کا چاقو تھا وہ اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا تھا ورنہ پکڑا جاتا۔ پرنسپل صاحب سے ہر کوئی ڈرتا تھا۔ چنانچہ لڑکوں نے طرح طرح کی آوازیں نکالنی شروع کیں۔ بابر صاحب نے اسی اطمینان سے حاضری کا رجسٹر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے باہر چلے گئے۔ لڑکوں کا رنگ فق ہوگیا کہ اب کچھ ہوکر رہے گا۔ لیکچر ضائع ہونے کا بھی افسوس تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لڑکوں کو احساس ہوگیا کہ یہ استاد کسی رعب میں نہیں آئے گا۔ بلکہ الٹا رعب سب پر پڑ گیا۔ بابر صاحب نے سکون سے معاملہ خود ہی نپٹ لیا۔

اگلے روز مسجد نور راولپنڈی میں خدام اور اطفال کا مشترکہ اجلاس تھا۔ ایک تقریر کے دوران بابر صاحب مسجد میں آئے اور میرے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ دعا کے بعد مڑ کر دیکھا تو ندامت کے مارے روح فنا ہوگئی۔ کہ یہ تو اپنے احمدی نکلے۔ گھبراہٹ میں سلام کرکے بھاگ گیا۔ چند روز اسی ندامت کے ساتھ لیکچر میں بیٹھتا رہا۔ اور تہیہ کرلیا کہ اب نہ تو کسی بدتمیزی میں شامل ہونگے اور نہ ہی کسی کو کرنے دیں گے۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔

پہلے دن سے ہی آپ کی شرافت کی ایسی دھاک سب طالب علموں پر بیٹھ گئی کہ کافی عرصہ کے بعد جمعیت کے ایک لڑکے نے ایک دوسرے طالب علم سے کہا کہ "یار اے پروفیسر تے مرزائی اے"۔ (یعنی یہ پروفیسر تو مرزائی (احمدی) ہے۔ دوسرے نے اس کا منہ یہ کہہ کر بند کردیا کہ "بندہ تے ہیرا اے" (پھر کیا ہے بندہ تو ہیرا ہے)

بابر صاحب کی شرافت ہی نہیں بلکہ بغیر کسی امتیاز کے شفقت کا سلوک تھا جس نے ہر کسی کو گرویدہ کیا ہوا تھا۔ اور کچھ وجہ یہ بھی تھی کہ کالجوں میں ابھی شرافت کی کچھ رمق باقی تھی۔

نسیم بابر صاحب کے والد سید ڈاکٹر محمد جی کو اللہ تعالیٰ نے ساری لولاد نیک لور سلسلے کی بے انتہا خدمت کرنے والی عطا کی۔ قیادت صدر رلولپنڈی کے ہر اجلاس، ہر کمیٹی اور عاملہ کے یہ اہم اور مضبوط ستون سمجھے جاتے تھے۔ نامساعد حالات میں بھی ناممکن کو ممکن کر دکھاتے تھے۔ اور کام کا بہترین سلیقہ وشعور تھا۔ بلکہ اب بھی ہے۔

مسجد نور میں یوں اچانک ملاقات کے چند روز بعد ہمارے زعیم صاحب نے کسی کام کے لئے مجھے بابر صاحب کے چھوٹے بھائی سید ناصر احمد صاحب کے پاس بھیجا۔ بہرحال پتہ کراتے کراتے بورڈ پڑھتے پڑھتے ڈاکٹر محمد جی صاحب کی کوٹھی پر پہنچا۔ گھنٹی بجانے پر ناصر کی بجائے نسیم بابر صاحب باہر نکلے تو دوسرا جھٹکا لگا۔ دل میں کہا، "یاالٰہی کیا انہوں نے ہر جگہ موجود ہونا ہے"۔ خیر پرانی خفت مٹانے کے لئے جلدی سے سوال داغ دیا، "سر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں"؟۔ "میں یہاں رہتا ہوں" بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "لیکن یہاں تو سید ناصر صاحب رہتے ہیں"۔ میں نے بھی حماقت میں بڑھنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ "جی وہ میرے چھوٹے بھائی ہیں فرمائیے بُلا دوں؟"۔ "میں نے بھی سوچا بہتر ہے سابقہ رویہ پر معافی مانگ لی جائے، ان سے بچنا مشکل ہے، ہر جگہ نمودار ہوجاتے ہیں۔ لیکن حسن اخلاق کا یہ پیکر ایک حیرانگی سے گویا ہوا۔ "لیکن آپ نے کیا کیا جو معافی مانگ رہے ہیں۔ آپ تو ان لڑکوں میں شامل نہیں تھے۔ آپ تو ماشاءاللہ احمدی نوجوان ہیں"۔ لیکن میں بھول نہ سکا۔

یہ آپ کے اخلاق کا حسین پہلو تھا کہ باوجود عمر اور رتبہ میں بڑے ہونے کے کبھی مجھے "تم" کرکے مخاطب نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ "آپ"، "فرمائیے"، "یوں کر دیجئے" کا انداز رہا۔ کالج میں آپ واحد استاد تھے کہ جب بھی مجھے یا میرے دوستوں کو کوئی مسئلہ سمجھ نہ آتا تو بے دھڑک نالائقوں کی فوج کی قیادت کرتے ہوئے اسٹاف روم میں آدھمکتا۔ نسیم بابر صاحب کی ایک یہ بہت بڑی خوبی تھی کہ بجائے اپنی لیاقت کا سکہ جمانے کے بہت جلد طالب علم کے معیار کو جانچ لیتے اور پھر اسی معیار پر اتر کر نہایت سلیقہ اور آسان الفاظ میں روزمرہ کی کوئی مثال لے کر مسئلہ سمجھا دیتے۔ یہ ملکہ میں نے اپنے کیریئر میں بہت کم اساتذہ میں پایا۔

یہ سچ ہے کہ استاد کا خُلق شاگرد پر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ شاگرد استاد سے بہت کچھ سیکھتا ہے اور میں نے "بہت کچھ" کے علاوہ بڑوں کو تو سہی لیکن چھوٹوں کو بھی "آپ" اور "فرمائیے" کہنا نسیم بابر صاحب سے ہی سیکھا۔ آپ نے کبھی بھی مجھے سرزنش نہیں کی۔ اگر کی تو ایک دفعہ جب میری ایف۔ ایس۔ سی میں سیکنڈ ڈویژن آئی، خفگی سے فرمایا کہ احمدی نوجوانوں کو کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔ ؎ کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی۔ ساتھ ہی فزکس میں اچھے نمبروں پر شاباش بھی دی اور آئندہ کے لئے مفید مشورے دیئے اور راہنمائی فرمائی۔

کالج کے زمانہ میں میں یہی سمجھتا رہا کہ مجھ سے امتیازی اور شفقت کا سلوک احمدی ہونے اور مزید ان کے بھائی ناصر و منور کے دوست ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے لیکن بعد میں عقدہ کھلا کہ ہر شاگرد ہی اپنے آپ کو نسیم بابر صاحب کے قریب ہی سمجھتا رہا۔

ایف۔ ایس۔ سی کا زمانہ ختم ہوا۔ میں نے گورڈن کالج میں بی۔ ایس۔ سی میں داخلہ لیا۔ خدام الاحمدیہ میں داخل ہوچکا تھا۔ فوراً ہی ناظم تجنید بنا دیا گیا۔ تو نسیم بابر صاحب کے ساتھ قیادت صدر کی عاملہ میں اکٹھے کام کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ لیکن پھر بھی استاد شاگرد کا ناطہ قائم رہا۔ وہ مجھے "یار" کہتے اور میں انہیں "سر" اور باقی سب کے لئے وہ بابر بھائی تھے۔ نئے خدام کارکنان کی حوصلہ افزائی کوئی ان سے سیکھتا۔ میرے ذمہ قیادت کا نئے سرے سے تجنید کا کام لگایا گیا۔ جتنی عقل تھی اس کے مطابق فارم بنایا۔ خدام سے کوائف لیتے لیتے ۱۰ سول لائنز بھی جا پہنچا۔ نسیم بابر صاحب نے کوائف بھرے اور فرمایا ماشاءاللہ آپ نے اچھی کوشش کی ہے۔ اگر آپ کچھ اور کوائف کے بھی خانے بنا لیتے تو دوسری نظامات کو آسانی ہوجاتی۔ اس کے بعد اندر سے مرکز کا لائحہ عمل لے آئے اور نصیحت کی کہ اسے پڑھ لیا جائے اور آئندہ ہر کام کے لئے مرکز کے لائحہ عمل اور ہدایات کو مدنظر رکھا جائے تو کام احسن طریقہ سے ہوجاتا ہے۔ حوصلہ افزائی اور نصیحت کا یہ دلکش انداز لڑکپن سے ایسا ذہن نشین ہوا کہ پھر ہمیشہ سلسلے کی خدمت کے لئے ان کی یہ چھوٹی سی نصیحت نے جو یقیناً بہت اہم ہے ہمیشہ رہنمائی کی۔ اور پھر ان کا نصیحت کا انداز ایسا کہ دل بھی نہ ٹوٹے۔ اس کے بعد میرے ذمہ قیادت کی مزید ذمہ داریاں آئیں تو اکثر ملاقات ہوتی رہتی۔ گوکہ آپ نے قائداعظم یونیورسٹی میں ایم۔ فل شروع کردی تھی لیکن اپنی پڑھائی اور جماعتی کاموں میں ایک توازن رکھا اور یہی نصیحت مجھے بھی کی کہ افراط و تفریط سے کام نہ لیا جائے۔ پڑھائی پر بھی اتنی ہی توجہ دی جائے۔

چنانچہ جب بھی مجھے کسی کام کے سلسلے میں ۱۰ سول لائنز جانا ہوتا تو میں ایسا وقت لیتا کہ ان سے ملاقات بھی یقینی ہو اور ساتھ ہی فزکس یا ریاضی کا کوئی اٹکا ہوا مسئلہ بھی لے جاتا۔ اور وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے مدد کرتے۔ انکسار ان کی شخصیت کا نمایاں پہلو تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رنگ میں اعلیٰ اعزازات سے نوازا حتی کہ شہادت کا اعلیٰ مقام پایا۔

ہماری قیادت کے سب سے اعلیٰ تعلیم یافتہ خادم تھے لیکن اتنا ہی منکسر المزاج۔ فخر یا تکبر کا شائبہ تک نہ تھا۔ ٹانگ جتنے طفل نے بھی جماعتی ملی ہوئی ہدایت کی طرف توجہ دلائی تو جیسا اس نے کہا ویسا کرنے لگ گئے۔ قیادت کی پکنک پر بھی جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے، جو ملا کھا لیا۔ کبھی بھی اپنے علم ورتبہ کا رعب نہ جھاڑا بلکہ اگر کوئی سلسلے کے قواعد وروایات کے خلاف کوئی حرکت کرتا تو اسے ٹوک دیتے۔ نظام جماعت سے اتنی وابستگی تھی کہ جہاں تک ممکن ہوتا ہر اجلاس یا جلسہ میں شامل ہوتے۔

اس ملنگ صفت انسان کے جوہر اسی وقت کھلتے تھے جب کہ ان سے واسطہ پڑتا تھا۔ سرسید کالج میں وزیروں، جرنیلوں، کرنیلوں کے بچے پڑھتے تھے۔ یونیفارم کا رواج ختم ہوگیا۔ لڑکوں کی وضع قطع سے امارت کا رعب جھلکتا تھا۔ جس کو متوازن رکھنے کے لئے اساتذہ بھی تھری پیس سوٹ پہن کر پڑھانے آتے تھے۔ ان سب کے درمیان ایک ملنگ "کارٹرائے" کی جین پہنے اس شان بے نیازی سے گھومتا تھا کہ کسی طرح بھی اس کے ظاہری حلیہ سے معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ بھی ایک پروفیسر تھا۔ اس عالم میں کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی کہ کوئی جاکر ان سے پوچھ ہی لیتا کہ "میاں! نسیم بابر صاحب فزکس کے پروفیسر کہاں مل سکتے ہیں؟"

طبیعت میں گہرا ادبی ذوق تھا۔ جب ان کی توجہ اس طرف دلائی گئی کہ اب تو آپ یونیورسٹی کے پروفیسر ہو گئے ہیں کچھ ظاہری رکھ رکھاؤ، افسروں والا رکھیں اور کبھی سوٹ شوٹ پہن لیا کریں تو یہ شعر پڑھ کر ؎

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اسی شان بے نیازی سے آگے بڑھ گئے۔

شاگرد کی حیثیت سے جب انہیں ملا تو ایک قابل اور شفیق استاد پایا۔ ناظم تجنید کی حیثیت سے جب ملا تو معلوم ہوا کہ شروع جوانی میں ہی نظام وصیت سے منسلک ہوگئے تھے۔ ناظم تعلیم کی حیثیت سے ملا تو معلوم ہوا کہ قیادت میں سب سے زیادہ مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حامل ہیں۔ اور یہ تو سب ہی جانتے تھے کہ ایک صاحب استدلال مقرر بھی تھے۔ لیکن جب ناظم صحت جسمانی کی حیثیت سے ملا تو معلوم

ہوا کہ سپورٹس کے تو صرف سپورٹر ہی ہیں لیکن مطالعہ قدرت کے رسیا۔ جب میں پاکستان میرین اکیڈمی میں منتخب ہو کر کراچی چلا گیا تو قیادت راولپنڈی صدر سے ایک قسم کا رابطہ کٹ گیا۔ اس دوران نسیم بابر صاحب بھی پولینڈ سے ڈاکٹریٹ کر کے واپس تشریف لے آئے تھے۔ جب کبھی چھٹیوں میں راولپنڈی آیا تو ضرور ملاقات ہوئی ٹریننگ کا پوچھتے اور حوصلہ افزائی کرتے پھر قسمت نے روزگار کے سلسلے میں سمندروں کی جانب دھکیل دیا تو رابطہ بالکل ہی کٹ گیا۔

۱۹۸۷ء میں جب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپسالہ یونیورسٹی سویڈن میں داخلہ لیا تو پتہ چلا کہ یہاں سویڈن میں بھی اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا کر جا چکے ہیں۔ جب کوئی اُن کی قابلیت کا ذکر کرتا کہ تمہارے پاکستان سے ایک بڑا ذہین لڑکا یہاں آیا تھا جس کا نام نسیم بابر تھا تو میں بھی کچھ کریڈٹ لینے کے لئے جلدی سے کہتا "ہاں! ہاں! میرے استاد ہیں"۔ تو کچھ Respect ہماری جھولی میں بھی گر پڑتی۔ ۱۹۹۱ء میں سویڈن آئے تو شاید میرا پتہ نہ تھا کہ میں بھی موجود ہوں۔ ملنے کی نوبت نہ آئی۔ اور ایک تشنگی رہ گئی۔ میں نے بھی تہیہ کیا تھا کہ اب کہ جو سویڈن آئے تو شاگرد کا حق جتاتے ہوئے لڑائی کروں گا۔ مگر اس صلح جو انسان نے اس لڑائی کا مزہ ہی نہ آنے دیا۔ اور مرتبے کے زینوں پر شہادت کا مقام حاصل کر لیا جہاں تک پہنچ صرف قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ اب کون اتنے عظیم فاصلہ کو سر کرے۔ لیکن دلوں میں تو قربت قائم ہے ہی۔

۹ر اکتوبر ۱۹۹۴ء کی رات کو چند سفاک قاتلوں نے فزکس کی دنیا میں ابھرتے ہوئے اس ستارے کو شہید کر کے ملک خداداد پاکستان کو تاریکیوں کے گڑھے کی جانب ایک قدم اور آگے بڑھا دیا۔ فزکس کے افق پر گو کہ یہ ستارہ ابھی چمکا ہی تھا لیکن اپنی چمک سے بہت سوں کو روشنی کی ایک لکیر دے گیا۔ ڈاکٹر نسیم بابر صاحب نے اپنی باقاعدہ تحقیق کا آغاز ۱۹۸۴ء میں وارسا (پولینڈ) سے کیا۔ جہاں آپ پی ایچ ڈی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ دوران قیام وارسا آپ نے Liquid Crystals پر معیاری تحقیقی کام کیا اور تین اعلیٰ قسم کے تحقیقی مقالے لکھے۔ وطن واپسی کے بعد آپ سیمی کنڈکٹر اور سپر کنڈکٹر کے میدان میں معرکہ آرائیاں کرتے رہے۔ اپنی شہادت سے کچھ عرصہ قبل ہی آپ نے SIC (ایک سیمی کنڈکٹر) پر جو کہ بہت ہی دلچسپی کا مرکز بن رہا ہے، پر نمایاں کام کیا۔

دس سال کے مختصر عرصہ میں ڈاکٹر صاحب نے تین میدانوں یعنی کہ لیکوئیڈ کرسٹل۔ ہائی ٹمپریچر سپر کنڈکٹر اور سیمی سپر کنڈکٹر کی دنیا میں گراں قدر تحقیق کر کے ۳۸ پیپرز علم کے متوالوں کو پیش کئے۔

اپنی ریسرچ کے دوران آپ کئی غیر ملکی یونیورسٹیوں سے منسلک رہے۔ SI/GE Super (lattics پر تحقیق کے لئے سویڈن بھی آئے اور Lund یونیورسٹی سے منسلک رہے۔ کئی سال تک برلن یونیورسٹی کے سائنس دانوں کے ساتھ (Transition Metal In III/IV Compound) پر تعاون کیا۔ بین الاقوامی طور پر ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کو بے حد سراہا گیا۔

۱۹۹۴ء میں یورپین یونین کی جانب سے ایک بہت ہی Competative تین سال کا ریسرچ میں تعاون کا ایوارڈ ملا۔ برلن یونیورسٹی کے سالڈ اسٹیٹ فزکس انسٹی ٹیوٹ کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر نے ڈاکٹر نسیم بابر صاحب کی قابلیت کو ان الفاظ میں سراہا:

"During the years of collaboration we got more and more impressed by the high technical competence, the broad knowledge, the excellent ideas and the depth of the theoratical approach he showed. He was also a very social man who easily made friends. All of us admired him as an ever-tiring teacher and a tolerant discussion partner"

ڈاکٹر نسیم بابر صرف سائنسی میدان کے ہی شہسوار نہ تھے بلکہ ادب کے بھی ایک پہلوان تھے۔ قائداعظم یونیورسٹی کے دوران طالب علمی، آپ کے جوہر کھلنے شروع ہوئے۔ یونیوسٹی میں تعمیر کے کام کے ساتھ ساتھ ادبی سرگرمیاں بھی شروع ہوئیں۔ آپ نیو کیمپس کے پہلے Batch میں سے تھے۔ یونیورسٹی کے میگزین "ارتکاز" کے لئے اردو اور انگریزی سیکشن کے لئے علیحدہ علیحدہ ایڈیٹر کی ضرورت پڑی جس کے لئے یونیورسٹی بھر میں مضمون نگاری کا مقابلہ ہوا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یونیورسٹی میں سوشل سائنس کے کئی شعبہ جات کام کر رہے تھے یہ مقابلہ جیت لیا اور اردو سیکشن کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ یہ نہ صرف احمدی طالب علموں بلکہ شعبہ فزکس کے لئے باعث فخر تھا۔ آپ نے یونیوسٹی کے میگزین کے لئے بے لوث خدمت کی۔ اداریہ اعلیٰ معیار کا ہوتا۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں آپ نے ایک مضمون "بنگلہ دیش اور نظریہ پاکستان" تحریر کیا اور انداز بیان اتنا بھرپور تھا کہ آج بھی ملک کی صحافت کے لئے ایک اثاثہ ہے۔

یونیورسٹی میں ڈاکٹر صاحب کے دوست حیران ہوتے تھے کہ ان کو معاشرہ کی اصلاح اور دوسروں کا اپنے سے زیادہ خیال رہتا تھا۔ ان کو کیا علم کہ اس شخص کا خمیر ہی احمدیت میں گندھا ہوا تھا۔ ذرا احمدیت کے اندر جھانک کر تو دیکھتے، کئی نسیم بابر نظر آتے۔

آپ سے کسی مسئلہ پر بحث کر کے بہت لطف آتا۔ اختلاف کی صورت میں ٹھوس دلائل اس صورت میں دیتے کہ نہ تو دوستی پر فرق آتا تھا۔ اور مد مخالف کا احترام بھی آپ قائم رکھتے تھے۔ دوسرے کی عزت نفس کا آپ بہت پاس رکھتے۔ شہادت کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دے رکھی ہے۔ مگر افسوس اس بدقسمت ملک پر آتا ہے جس نے کہ ایک قیمتی اثاثہ کھو دیا۔

خدا تعالیٰ جماعت میں ہزاروں نسیم بابر پیدا کرے۔ اور ڈاکٹر صاحب کے خاندان کو شہادت سے وابستہ انعامات و خوشیاں عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

الفضل خود بھی پڑھئے اور اپنے زیر تبلیغ دوستوں کو بھی پڑھنے کے لئے دیجئے۔ یہ بھی دعوت الی اللہ کا ایک مفید ذریعہ ہے۔ (مینجر)

ایک چھوٹے سے شہر کے باسیوں کا عظیم کردار

اس سال ربوہ کے قیام پر پچاس سال پورے ہو رہے ہیں۔ یہ شہر کئی پہلوؤں سے دنیا میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ہم اس کے مختلف تاریخی پہلو قارئین الفضل کی خدمت میں پیش کریں۔ ذیل میں مکرم م۔ا۔ ناصر صاحب کی ایک مختصر تحریر شائع کی جا رہی ہے جس میں انہوں نے اس شہر کے باسیوں کے متعلق حکومت وقت کے ایک ظالمانہ فیصلے کے حوالے سے اپنے قلبی جذبات و احساسات کا ذکر فرمایا ہے ——— (ادارہ)

۲۱ر مارچ ۱۹۸۹ء کی شام تھی، سائیکل لے کر گھر سے باہر نکلا۔ شہر کے مرکزی حصہ کا چکر لگایا۔ شہر غریب دلہن کی طرح سجایا جا رہا تھا۔ سارے شہر میں صفائی تھی۔ عمارتوں اور مکانوں پر چھوٹے چھوٹے قمقموں کی لڑیاں لٹکائی گئی تھیں۔ آرائشی گیٹ زیر تعمیر تھے۔ خوبصورت بینرز آویزاں کئے جا رہے تھے۔ ۲۲ر اور ۲۳ر تاریخ کو شہر میں شکر کا جشن منانے کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ حلوائی بڑے پیمانے پر مٹھائی تیار کرنے میں مصروف تھے۔ عید سے ایک روز قبل کا سماں تھا۔ ۱۶ سال قبل شہر کے محبوب و ہر دلعزیز قائد نے اس جشن کا پروگرام بنایا تھا اور خود بارگاہ الوہیت میں حاضر ہو چکا تھا مگر اس کی یاد عطر کے جھونکوں کی طرح مہکا رہی تھی۔ اور موجودہ پیارا قائد اگرچہ ہزاروں میل دور تھا مگر شہر کا ہر دل اس کی محبت میں دھڑک رہا تھا۔

اتنے میں آواز سنائی دی۔ ابھی اعلان ہوا ہے کہ اس شہر کے باسیوں کو چراغاں کرنے کی اجازت نہیں۔ آرائشی گیٹ گرا دئے جائیں، بینرز اتار لئے جائیں، غریبوں میں کھانا تقسیم نہ کیا جائے۔ بچوں میں مٹھائی بھی نہ بانٹی جائے۔ کیوں بھئی ایسا کیوں؟ جواب ملا اس سے امن و امان کو خطرہ ہے، ملک کو خونی بحران درپیش ہے۔

کوئی اور ملک ہوتا تو شہر کے باسیوں کے دو رد عمل ہوتے۔ یا تو جارحیت اور توڑ پھوڑ ہوتی یا افسردگی اور مایوسی۔ یا تو نوجوان گلیوں میں نکل آتے، نعرے لگاتے، بسوں کو آگ لگاتے، سرکاری دفتروں پر پتھراؤ کرتے، ذمہ داروں کا گھیراؤ کرتے اور یا غم اور رنج، دکھ اور افسوس، ماتم اور نوحہ کی ایک لہر دوڑ جاتی۔ مگر اس شہر کے باسی شاید کسی اور مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ نہ کوئی قانون شکنی ہوئی، نہ ہنگامہ۔ نہ کوئی نعرہ بازی ہوئی نہ ہڑتال۔ نہ کوئی جلوس نکلا نہ کوئی پتھراؤ ہوا۔ دوسری طرف شہر میں وہی گہما گہمی تھی، وہی رونق تھی، وہی بشاشت تھی، وہی عید کا سماں تھا۔ ٹھیک کہ چراغاں نہیں ہوا، درست کہ غریبوں کے گھر کھانا نہ بھیجا جاسکا، صحیح کہ بچوں میں مٹھائی تقسیم نہ ہو سکی، مانا کہ جلسہ منعقد نہ کیا جاسکا مگر مایوسی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ افسردگی کی کوئی علامت نہیں تھی۔ رنج کا کوئی اظہار نہیں تھا۔ درد تو ہوگا مگر فغاں نہیں تھا۔ غم تو تھا مگر ماتم نہیں تھا۔ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے لوگ گلے ملے، مبارک باد دی، خوشی کا اظہار کیا۔ جیوے جیوے میرا چھوٹا سا شہر اور اس کے عظیم باسی۔

☆......☆......☆

بقیہ: ایم ٹی اے کا کردار از صفحہ ۲۶

پیدل بھاگے ہیں دوسرے گاؤں کہ شاید وہاں بجلی ہو اور ہم دیکھ سکیں"۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴ر جون ۱۹۹۵ء)

احمدیہ نقطۂ نظر کی ماسٹر کاپی

خلافت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو نور فراست اور عرفان نصیب کیا ہے خلافت اس کے ذریعہ نہ صرف عالم احمدیت کی بلکہ تمام عالم کی رہنمائی کرتی ہے۔ اور اس طرح منبر خلافت سے جو آواز اٹھتی ہے وہ جماعت احمدیہ کے موقف کی ماسٹر کاپی ہے جس سے تمام دنیا کے احمدیوں کو ایم ٹی اے کے ذریعہ بلا تاخیر اطلاع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس کی روشنی آگے پھیلانے لگتے ہیں۔

عالمی سیاسیات، اقتصادیات اور دیگر سماجی اور معاشرتی مسائل پر خلافت احمدیہ کا موقف سننے کے لئے اب دانشور منتظر رہتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

خلیفۂ وقت کی تحریکات

اسی ایم ٹی اے کے ذریعہ خلافت احمدیہ کی نئی تحریکات تمام احمدی خلیفۂ وقت کی زبان مبارک سے سنتے ہیں اور علم و عمل کی نئی راہیں متعین ہوتی ہیں۔

حضور کے وہ خطبات جو ایم ٹی اے کے قیام سے پہلے کے ہیں وہ بھی دوبارہ نشر کئے جا رہے ہیں اور تازہ خطبات بھی وقفے وقفے سے دہرائے جاتے ہیں تاکہ امام کا کوئی پیغام متبعین سے اوجھل نہ رہے۔ حضور نے فرمایا:

"چونکہ اب یہ خطبے براہ راست سنائے جاتے ہیں اس لئے اب وہ فکر نہیں رہی کہ منتظمین بات سنیں اور آگے پہنچائیں۔ اور پانی کھیتوں تک پہنچنے کے بجائے کھالیں ٹوٹ ٹوٹ کر بہہ جائے۔ اب تو خدا کے فضل سے ایک ایک پودا نظر کے سامنے ہے اور میں ان کو اپنی ایمان اور محبت کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اور وہ مجھے براہ راست اپنی جسمانی آنکھوں سے بھی دیکھ رہے ہیں تو اس کی بڑی برکت ہے۔ اتنی جلدی دنیا سے جواب آتے ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ ایک تحریک شروع ہوئی اور فوراً دنیا کے کونے کونے سے فیکسز آنی شروع ہو گئیں۔ ہماری طرف سے یہ حاضر ہے، یہ حاضر ہے۔ اب یہ پروگرام بنا رہے ہیں۔ اس سے پہلے مہینوں لگ جایا کرتے تھے۔ اور اس کے باوجود بھی تسلی نہیں ہوتی تھی۔ ہماری اکثریت ایسی تھی جس سے واقعۃً خلافت کا رابطہ کٹا ہوا تھا اور اب جب رابطہ قائم ہو رہا ہے تو حیرت انگیز پاک تبدیلیاں ہو رہی ہیں"۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰ر مارچ ۱۹۹۳ء)

سایہ سایہ ایک پرچم دل پہ لہرانے کا نام
اے مسیحا تیرا آنا زندگی آنے کا نام

☆......☆......☆

تعلیم و تربیت کا آسمانی نظام

ایم ٹی اے کا پس منظر اور برکات

عبدالسمیع خان ۔ ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ

میں خاک تھا اسی نے ثریا بنادیا

۱۹۰۰ء میں جب بیسویں صدی عیسوی کا آغاز ہوا تو جماعت احمدیہ کی عمر ۱۱ سال تھی۔ ہندوستان میں چنیدہ سعید روحوں نے حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کرلی تھی اور ہندوستان سے باہر کئی ممالک میں آپؑ کا پیغام پہنچ چکا تھا۔ کئی احمدی بھی موجود تھے مگر کہیں بھی کوئی تنظیمی ڈھانچہ وجود میں نہیں آیا تھا۔

مرکز احمدیت قادیان کی کل آبادی ۴۰، ۵۰ گھرانوں پر مشتمل تھی۔ جن میں سے اکثریت خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سخت معاند اور جانی دشمن تھے ۔ قادیان پہنچنا کار دارد تھا۔ سعید روحیں گڑھوں بھرے راستوں سے گزر کر درِ حبیب پر آتی رہیں مگر یہ تعداد بہر حال محدود تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے خدام سے رابطہ قادیان آنے والے زائرین سے بالمشافہ ملاقاتوں کے علاوہ مندرجہ ذیل طریق پر تھا۔

۱۔ حضور کے اسفار۔

۲۔ حضور کی کتب، اشتہارات اور خطوط۔

۳۔ سلسلہ کا اخبار الحکم جو ۱۸۹۸ء سے قادیان سے شائع ہونا شروع ہوا اور بالکل بچپن کی حالت میں تھا۔ اس وقت قادیان میں صرف ایک پریس تھا جس کی بنیاد ۱۸۹۵ء میں ڈالی گئی تھی اور اس کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔

اس زمانہ کے ہندوستان میں رسل و رسائل کا نظام بھی بہت کمزور تھا۔ اس لئے نہ صرف یہ کہ حضور کی کتب واشتہارات کی اشاعت بھی بہت محدود تھی ان کا ہر احمدی تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ بلکہ اردو، عربی اور فارسی زبانوں سے نابلد دنیا کی فہم سے بھی بالا تھا۔

ان سب مشکلات پر مستزاد یہ کہ حضرت مسیح موعود کی مخالفت زبانی دعووں سے گزر کر پرتشدد دور میں داخل ہوچکی تھی۔

۱۹۰۰ء میں حضور کے گھر اور مسجد مبارک کو ملانے والا راستہ مخالفین نے دیوار کھینچ کر بند کردیا جو کئی ماہ کی عدالتی کارروائیوں کے بعد کھولا گیا۔

۱۹۰۱ء میں کابل میں حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ کو شہید کر دیا گیا اور دو سال بعد ۱۹۰۳ء میں حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحبؓ کی شہادت کا المناک حادثہ رونما ہوا۔

اس پس منظر میں کون کہہ سکتا تھا کہ تحریک احمدیت نہ صرف زندہ رہے گی بلکہ اس کا زندگی بخش پیغام ایک عالم کی حیاتِ نو کا نقیب بن جائے گا۔ دنیا تو ہر لحہ احمدیت کو موت کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھی مگر آسمان کا خدا کہہ رہا تھا:

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

"ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی"

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور دین واحد پر جمع کرے"۔

اور آج جبکہ ہم اکیسویں صدی کے دہانے پر کھڑے ہیں تاریخ کی آنکھ جماعت احمدیہ کو ایک بالکل مختلف تناظر میں دیکھ رہی ہے۔ مسیح موعودؑ کا پیغام زمین کے کناروں تک گونج رہا ہے۔ دنیا کے ۱۵۳ سے زائد ملکوں میں اس کا پرچم لہراتا ہے۔

جماعت احمدیہ ہر ملک میں سینکڑوں مضبوط جماعتوں کی شکل میں قائم ہے اس کا مالی نظام طوعی، رضاکارانہ مگر مستحکم بنیادوں پر استوار ہے۔ یہ تمام اسلامی فرقوں میں سب سے زیادہ منظم فرقہ ہے۔ ہر سال لاکھوں افراد بیعت کر کے اس میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس کے عالمی مواصلاتی نظام کے ذریعہ ساری جماعت ایک ہاتھ پر جمع ہے۔ اس کے امام اور عام فرد میں کوئی فاصلہ نہیں رہا۔ ہر احمدی اپنے امام کی تازہ ترین ہدایات اور تحریکات سے ہمہ وقت آگاہ رہ سکتا ہے۔

اسی مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا ہے:-

اک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا
میں خاک تھا اسی نے ثریا بنا دیا

جماعت احمدیہ کی زندگی کے یہ دو تناظر مذہب کے طالبعلم کے لئے دلچسپ موازنے کا گہرا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں۔

پہلا دور گویا احمدیت کے تخم کو زمین میں بونے کا دور تھا اور آج اس تناور اور بلند و بالا درخت کے فضاؤں میں بلند تر ہونے کا دور ہے۔ اسی دور کو ہم احمدیت کے فضائی دور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور اس دور کا سہرا ایم ٹی اے (MTA) کے سر ہے۔

ایم ٹی اے کی ضرورت

ایم ٹی اے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ضرورت بھی خود ہی پیدا کی اور خود ہی اسے پورا کرنے کے سامان ظاہر فرمائے۔ یوں تو جماعت کافی دیر سے عالمی رابطہ کی ضرورت محسوس کر رہی تھی مگر اس کی طلب میں اس وقت بے پناہ اضافہ ہو گیا جب خلافت رابعہ کے دور میں جماعت ترقی کے نئے سنگ میل نصب کرنے لگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ ماموریت کے ٹھیک سو سال بعد حضرت مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۸۲ء میں خلیفۃ المسیح الرابع کے طور پر حلف اٹھایا۔ اس وقت جماعت احمدیہ دنیا کے قریباً ۸۰ ملکوں میں قائم تھی۔ ۱۹۸۳ء کے شروع میں ہی آپ نے دعوت الی اللہ کی سکیم کا ازسرنو احیاء کیا اور تمام احمدیوں کو داعی الی اللہ بننے کا ارشاد فرمایا۔

پھر آپ نے اس مضمون پر مسلسل خطبات ارشاد فرما کر جماعت میں بے پناہ جوش و جذبہ پیدا کر دیا جس کے نتیجہ میں مخالفین کی نیندیں حرام ہو گئیں۔

امام جماعت احمدیہ سے ملنے کے لئے آنے والے ہجوم در ہجوم لوگوں کو دیکھ کر حکومت پریشان ہو گئی۔ اور ۲۶ر اپریل ۱۹۸۴ء کو وہ کالا ظالمانہ آرڈیننس نافذ کیا گیا جس کے تحت جماعت احمدیہ کے سربراہ کی پاکستان میں موجودگی ناممکن بنا دی گئی۔ چنانچہ الٰہی اشاروں اور بشارتوں کے تابع حضور انور ایدہ اللہ انگلستان تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ احمدیت کی تاریخ میں ناقابل بیان صدمات لے کر آیا۔ مگر اسی تاریکی سے نور کے وہ سوتے پھوٹے جنہوں نے کل عالم کے لئے روشنی کے سورج چڑھادئے۔

حضور کے سفر ہجرت کی وجہ سے پاکستان کا ہر احمدی گھرانہ ایک مذبح خانہ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ شمع اور پروانوں کے مابین ناقابل عبور فاصلے حائل ہو چکے تھے۔ احمدی اپنے امام کی براہ راست رہنمائی سے محروم ہو چکے تھے ۔ وہ موہنی صورت آنکھوں میں بسائے ہوئے آنسوؤں کی راہ سے پگھل رہے تھے۔

مگر اس عُسر کے ساتھ یُسر کے وسیع دور مقدر تھے۔ حضور کے یورپ میں پہنچتے ہی اسلام کا سورج مغرب کی طرف چڑھتا دکھائی دینے لگا۔

بیعتیں جو پہلے چند سو سالانہ تھیں سینکڑوں میں داخل ہو گئیں۔ ہزاروں میں تبدیل ہوئیں اور پھر لاکھوں کے عدد عبور کر گئیں۔ اس میں بیسیوں اقوام اور بیسیوں ممالک کے سینکڑوں مختلف زبانیں بولنے والے لوگ تھے۔ ان سب کی تربیت اور اصلاح ایک بہت بڑے اور وسیع نظام کا تقاضا کر رہی تھی جس کے ذریعہ وہ خدا کے خلیفہ کا حتی المقدور قرب حاصل کر سکیں۔

جماعت کی نئی نسل خصوصاً واقفینِ نو مستقبل کے مبلغ اور خدام دین اپنے امام کی براہ راست توجہ اور رہنمائی کے محتاج تھے۔ جماعت کے لٹریچر پر پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ ان کی اشاعت اور ابلاغ ایک اور بہت بڑا چیلنج تھا جو جماعت کو در پیش تھا۔

احمدیت کے خلاف جھوٹ پر مشتمل جو عالمی پروپیگنڈہ کیا جا رہا تھا اس کا جواب دینے کے لئے احمدیوں کو اجازت نہیں تھی۔ ایسے زہریلے مواد کا توڑ بھی وقت کی اہم ضرورت تھا۔ خصوصاً ایسے ممالک جہاں احمدیت کے پیغام کی اشاعت پر مکمل پابندی ہے اور وہاں داخلے کے تمام زمینی ذرائع بند ہیں وہاں صرف کوئی آسمانی حربہ ہی کام دے سکتا تھا۔

کیسٹس کا نظام

خلافت کے ساتھ جماعت کے براہ راست رابطہ کو زندہ رکھنے کے لئے حضور کے خطبات کی کیسٹس بھجوانے کا طریقہ شروع کیا گیا۔ مگر بے پناہ محنت اور بے تحاشا خرچ کے باوجود یہ کیسٹس جماعت کے صرف ایک حصہ تک پہنچ پاتی تھیں۔ پھر مختلف زبانوں میں ان کے تراجم شروع ہوئے مگر ان تراجم میں خلیفہ وقت کا پیغام پوری شوکت کے ساتھ نہیں پہنچ سکتا تھا اس لئے ایک راہ تو تھی مگر اطمینان نہیں تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ اس نظام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عرصہ دس سال کا گزر رہا ہے کہ جماعت احمدیہ کیسٹس کے ذریعہ سے خلیفہ وقت کا تمام دنیا کے احمدیوں تک پیغام پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ پہلے صرف آڈیو کیسٹس کے ذریعہ یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ پھر ویڈیو کیسٹ بیچ میں شامل ہو گئیں۔ لیکن بے حد محنت کے باوجود بہت ہی جانکاہی کے ساتھ کام کرنے کے باوجود بہت ہی معمولی، کم حصہ تھا جماعت کا جس تک یہ آواز پہنچ سکی۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کئی ممالک میں بعض رضاکار خدمت کرنے والوں کی ٹیمیں ہیں جو بہت وقت خرچ کرتی ہیں اور ایک کیسٹ سے آگے کیسٹس بنانا، اس بات کا خیال رکھنا کہ کوالٹی اچھی ہو۔ پھر مختلف پتوں پر ان کو بھجوانا۔ ان کے حسابات رکھنا بڑا لمبا محنت کا کام ہے۔ لیکن جماعت کرتی رہی۔ پھر بھی بہت ہی تھوڑی تعداد ہے احباب جماعت کی جن تک یہ پیغام براہ راست خلیفہ وقت کی زبان میں پہنچتے تھے۔ وجہ اس کوشش کی یہ تھی کہ میرا تجربہ ہے کہ جو بات خلیفہ وقت کی طرف سے کوئی پہنچاتا ہے اس کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا براہ راست خلیفہ وقت سے کوئی بات سنی جائے۔ میرا اپنا زندگی کا لمبا عرصہ دوسرے خلفاء کے تابع ان کی ہدایت کے مطابق چلنے کی کوشش میں صرف ہوا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کوئی پیغام پہنچائے کہ فلاں خطبہ میں خلیفہ وقت نے یہ بات کہی تھی اور خطبے میں خود حاضر ہو کر وہ بات سننا، ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اطاعت تو پھر بھی کی جاتی ہے خواہ پیغام کسی کے ذریعہ پہنچے لیکن پیغام کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ پیغام پہنچانے والے میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ جس جذبے کے ساتھ، جن باتوں کو ابھار کر، نمایاں کر کے، پیغام دینے والا پیغام دے رہا ہے بعینہ اس پیغام کو اس طرح آگے پہنچائے کہ اس کے جذبات اس کے زیر و بم تمام کے تمام پیغام کے ساتھ دوسرے شخص تک منتقل ہوتے جائیں۔ کوالٹی کا بیچ میں ضائع ہونا یعنی اس کے مزاج کا بیچ میں ضائع ہو جانا ایک ایسی طبعی بات ہے کہ انسان کی یادداشت تو زیادہ بھولتی ہے لیکن الیکٹرانکس کی یادداشت کے ذریعے جو پیغام کیسٹ سے کیسٹ میں منتقل کئے جاتے ہیں تیسری، چوتھی، پانچویں جنریشن (Generation) میں جا کے کیسٹ کا مزاج ہی بدل جاتا ہے اور وہ بات ہی نہیں رہتی جو پہلی کیسٹ میں تھی اس لئے مدر کیسٹ (Mother Cassette) کو ہمیشہ سنبھال کر رکھا جاتا ہے تاکہ اس سے آگے بار بار اسی سے آگے دوسری کیسٹ تیار کی جائیں۔ یہ مشکل تھی جس کی وجہ سے جماعت نے کوشش کی کہ کیسٹ کے ذریعہ پیغام پہنچے تو براہ راست، براہ راست تو نہیں کہہ سکتے کیسٹ کے

واسطے سے پورا پیغام احباب جماعت خود سنیں لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بہت محنت کے باوجود وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔ بعض جماعتوں کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہاں اگر دس ہزار آبادی ہے تو بمشکل دو یا چار سوایسے احمدی ہیں جو استفادہ کر سکتے تھے یا کرتے رہے۔ اور باقی کے متعلق محض رپورٹ ہی ملتی رہی کہ کیسٹس بھجوائی جا رہی ہیں"۔

(خطبہ جمعہ ۸ر جنوری ۱۹۹۳ء)

ان حالات میں امام اور جماعت کے درمیان ایک ایسے رابطے کی ضرورت تھی جس میں کوئی دوسرا وجود حائل نہ ہو۔ اور اگر زبان سمجھ نہ بھی آئے اور ترجمہ سن رہے ہوں تب بھی امام کے دلی تاثرات آنکھوں کی راہ سے دلوں میں اتریں اور ہیجان پیدا کریں۔

یہ ضرورت تھی جو خدا نے ایم ٹی اے کے ذریعہ خود پوری فرمائی اور تمام ممکنہ ضمنی فوائد سے بھی متمتع فرمادیا۔

خدا نے روک ظلمت کی اٹھا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

(درثمین)

ہوا کے دوش پہ لاکھوں گھروں میں در آیا
نکل گیا تھا جو گھر سے کبھی خدا کے لئے
یہ کارہائے غریب الدیار بھی دیکھیں
جو منتظر ہیں دم عیسیٰ و عصا کے لئے

چراغ راہ

ایم ٹی اے کے پس منظر کا ایک بہت بڑا پہلو جماعت احمدیہ کا وہ جہاد ہے جو اس نے دجالی طاقتوں کے خلاف جاری کیا ہوا ہے۔ ٹیلی ویژن ایک بہت مفید ایجاد ہے جس سے دنیا کو اخلاق اور امن کے سبق دے کر جنت نظیر بنایا جاسکتا ہے۔ مگر عیسائی اور لامذہب طاقتوں نے اس کو بے حیائی اور بدکرداری پھیلانے کے لئے سب سے مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے اور سیٹلائٹ کے دور میں تو یہ کیفیت ایک زہریلے سمندر کی مثال اختیار کر گئی ہے جس نے ایمان اور فطرت کا ہر خرمن اور خوشہ جلا کر راکھ کر دیا ہے۔

صرف پاکستان کی مثال لیں۔ پاکستان میں ۱۳۶ چینلز کو مختلف ڈشوں سے دیکھا جاتا ہے۔ ان میں انڈیا کے ۳۶، برطانیہ کے ۹، فرانس کے ۵ اور چین کے ۱۷ چینل ہیں۔ ایک ہفتے میں سات چینلز کے ذریعہ قریباً ۱۰۰ بھارتی فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ اور یہ فلمیں سراسر گند سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اوپر سے نیچے تک گندی، کھوکھلی اور روزمرہ کے مذاق کو برباد کرنے والی۔ نہ ادب کا کچھ رہنے دیتی ہیں، نہ شعریت کا۔ محض بے ہودہ اور پھر ایسے توہمات میں مبتلا کرنے والی جو انسان کو جانوروں سے بھی گرادے۔

اس خطرناک اور تباہ کن صورت حال میں خدا کے مسیح اور اسکی جماعت نے ہی انسان کو ایک روشنی اور سچائی کا رستہ دکھایا۔ دنیا کی تاریخ میں ٹیلی ویژن کو پہلی دفعہ اعلیٰ روحانی اقدار کے لئے استعمال کیا گیا جو موت کے منہ سے انسان کو کھینچ کر لے آیا ہے۔ اور یہ بات بالکل سچ ہے کہ ؂

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

محبت کا تو اک دریا رواں ہے

اس سیٹلائٹ نظام نے خلافت کے ساتھ محبت اور پیار کے دریا کناروں سے اچھال دئے ہیں اور اس تعلق میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور خلافت احمدیہ حقیقی معنوں میں کل عالم کے دلوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔

ایسا نور، ایسی سچائی اور ایسی صداقت ہے کہ جی بھر کے دیکھنے کے باوجود جی نہیں بھرتا بلکہ پیاس بڑھتی چلی جاتی ہے جو ہر نئے گھونٹ کے ساتھ محبت کے نئے جام پلا دیتی ہے۔ پھر یہی محبت امام وقت کے وجود سے سورج کی طرح پھوٹتی اور سب دنیا میں جلوے دکھاتی ہے۔ اس برکت کا ذکر کرتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"جماعت احمدیہ عالم اسلام میں ایک ہی جماعت ہے جو ایک ہاتھ پر اکٹھی ہے۔ جماعت احمدیہ عالم اسلام میں ایک ہی جماعت ہے جو ایک سو چالیس ملکوں میں پھیلی ہونے کے باوجود پھر بھی ایک جمعیت رکھتی ہے۔ ایک مرکز رکھتی ہے اور دور دور پھیلے ہوئے احمدی احباب کے دل آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ایک تکلیف کسی احمدی کو خواہ پاکستان میں پہنچے، خواہ بنگلہ دیش میں، ہندوستان میں یا کسی اور ملک میں اس تکلیف کی جب بھی خبر دنیا میں پھیلتی ہے جماعت احمدیہ خواہ دنیا کے کسی ملک سے تعلق رکھتی ہو یوں محسوس کرتی ہے کہ ہماری ہی تکلیف ہے۔ اور عجیب اتفاق ہے، اتفاق تو نہیں یعنی خدا کی تقدیر کا ایک حصہ ہے کہ جیسے میں آپ کے لئے غمگین ہوتا ہوں جماعت میرے لئے غمگین ہوتی ہے کہ اس غم سے مجھے زیادہ تکلیف نہ پہنچے۔ اور ہر ایسے موقعہ پر تعزیت کا اظہار کیا جاتا ہے اور ایسی سادگی اور بھولے پن سے جیسے اس بات پر مقرر کئے گئے ہیں کہ میری دلداری کریں۔ چنانچہ اسیران راہ مولا کے معاملے میں مسلسل، ہمیشہ دنیا کے کونے کونے سے لوگ مجھ سے ہمدردی کرتے رہے، فکر کا اظہار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مائیں اپنے بچوں کے حوالے سے لکھتی رہیں کہ جب آپ ان کا ذکر کرتے ہیں اور آپ کی آنکھوں میں نمی آجاتی ہے تو ہمارے بچے بے چین ہو جاتے ہیں۔ ایک ماں نے لکھا کہ بچہ رو پڑا، اس نے رومال نکالا، دوڑا دوڑا گیا، میرا ذکر کر کے کہ ان کے آنسو پونچھوں۔ اب یہ جو واقعہ ہے یہ اللہ کے اعجاز کے سوا ممکن نہیں ہے۔ اس مادہ پرست دنیا میں کوئی ہے تو دکھائے کہاں ایسی باتیں ہیں۔ یہ حضرت محمد ﷺ ہی کا اعجاز ہے"۔ (خطبہ جمعہ ۲۴ر جون ۱۹۹۴ء)

اس کنبے میں سب کی خوشیاں سانجھی ہیں
ایک ہو خوش تو لاکھوں چہرے کھلتے ہیں
بانٹتے ہیں ہم سارے غم اک دوجے کے
ایک کو دکھ ہو لاکھوں کے دل دکھتے ہیں

حضور پرنور نے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۹۲ء کے لئے لندن سے بذریعہ سیٹلائٹ خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"آج ہماری تصویریں جیسے آج ہم یہاں سے دکھائی دے رہے ہیں۔ اہل قادیان ہی نہیں تمام دنیا کے دوسرے ممالک میں احمدی اور دیگر مہمان دیکھ رہے ہیں۔ اور میری چشم تصور مختلف جگہوں پر گھومتے ہوئے مختلف نظارے دیکھ رہی ہے مجھے اہل ربوہ بھی دکھائی دے رہے ہیں، مجھے پاکستان کی جماعتوں میں کراچی کی جماعت بھی دکھائی دے رہی ہے، لاہور کی بھی، شیخوپورہ کی بھی اور سرگودھا کی بھی اور سیالکوٹ کی وہ جماعتیں بھی جن کے گاؤں میں رہنے والے ایسے معمر احمدی جو زندگی کے آخری دموں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کبھی یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ دوبارہ مجھے دیکھ سکیں گے لیکن خدا تعالیٰ نے مواصلاتی سیارے کے ذریعے جو انتظام فرمائے اس کے ذریعے ایک قسم کی ملاقات ان سے ہو گئی"۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ر جنوری ۱۹۹۳ء)

احباب جماعت نے اپنے خطوں میں جس طرح والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے اس کا تذکرہ حضور نے متعدد خطبات میں فرمایا ہے۔ فرمایا:

"ایک دوست لکھتے ہیں۔ آپ سے ملاقات کا ایک عجیب سا موسم شروع ہے۔ مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ان معنوں میں بہت پیارے انداز میں "موسم ہوتے ہیں لوگوں کے آنے کے بھی اور جانے کے بھی" فرمایا ہے۔ آپ زیادہ پڑھے لکھے دوست نہیں ہیں جن کا یہ خط ملا مگر دیکھیں کیسے پیارا فقرہ لکھا ہے۔ آپ سے ملاقات کا ایک عجیب موسم شروع ہوا ہے۔ جس میں جو سرور ہوتا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

ایک لاہور کے نوجوان لکھتے ہیں عالمی بیعت کے وقت آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں اور جسم پر کپکپاہٹ طاری تھی یوں لگتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ حجاب توڑ کر ہمارے جلسے میں شریک ہے۔ اس دن پوری دنیا گنگ تھی اور صرف خدائی بول رہی تھی۔ اس روز پروردگار نے ہماری پیاسی روحوں کی پیاس کو بجھادیا۔

اور بعض لکھتے ہیں کہ، بجھادیا اور بھڑکا بھی دیا۔ آپ کا خطبہ ختم ہوتے ہی بجھی ہوئی پیاس بھڑک اٹھتی ہے اور اگلے جمعہ کا انتظار شروع ہو جاتا ہے"۔

ایک دوست لکھتے ہیں، "ڈش انٹینا کے ذریعے خطبات سن کر اپنے اندر بہت تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔ پہلے میں نمازوں میں سست تھا اب باقاعدگی سے توفیق مل رہی ہے۔ دینی کاموں میں بھی حصہ لینے لگا ہوں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے گم شدہ چراغ مل گیا ہو" ماشاء اللہ، کیا شان ہے۔ ایک چھوٹے سے قصبہ سندھ کے قصبے سے خط آیا ہے اور زبان دیکھیں ایمان اور محبت کے اثر سے زبان زندہ ہو گئی ہے۔

ایک صاحبہ لکھتی ہیں۔ ہر جمعہ بچوں کو لے کر خطبہ سننے جاتی ہوں۔ یہ جمعہ کا دن سب پروگراموں پر بھاری ہے۔ میں جو جمعہ کے دن ٹی وی ڈرامہ دیکھنے کے لئے بیتاب ہوا کرتی تھی اب تو دل صرف خطبہ سننے کے لئے بیتاب رہتا ہے۔

ایک اور خاتون لکھتی ہیں ہم ٹی وی پر آپ کو دیکھتے ہیں تو ایسے لگتا ہے کہ آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ میرے خیال میں اس ڈش انٹینا نے ہم لوگوں پر سب سے بڑا احسان کیا ہے اور معصوم بچوں پر خصوصی طور پر۔ جمعہ کو ہم آقا سے ملاقات کروانے کے لئے ترستے رہتے تھے۔ اب یہ حضور اقدس کو دیکھ کر خاموشی سے بیٹھ جاتے ہیں۔ ذرا شور نہیں کرتے اور مصروف عورتیں جو دن میں کئی مجبوریوں کی وجہ سے مسجد میں نہیں آسکتی تھیں وہ بھی رات کو مسجد میں باقاعدگی سے آتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جو ابھی اتنے سمجھدار نہیں ہیں وہ حضور کو دیکھتے دیکھتے سو جاتے ہیں۔ اور خطبات لوری کا کام دیتے ہیں۔ جو میٹھی نیند سلا دیتے ہیں اور مائیں پرسکون ہو کر خلیفۂ وقت کے خطبات سے مستفید ہوتی ہیں۔ مسجدیں پر رونق ہو گئی ہیں۔ اور کیا مرد، کیا بچے، کیا عورتیں، کیا بزرگ ایک نئے ولولے سے زندہ ہو کر آنکھوں میں ایک نئی چمک لے کر واپس جاتے ہیں۔ سارا ہفتہ منتظر رہتے ہیں۔

واللہ کیسا پھل ملا ہے ہماری صبر آزما گھڑیوں کا۔ قریبی گاؤں کی عورتیں اور بچے بھی شامل ہوتے ہیں۔ قافلے کی صورت میں احمدی آتے ہیں۔ کیا بتائیں ایک نئی روح پیدا ہو گئی ہے۔ میرے چھوٹے بیٹے پر بھی خطبات دیکھنے کی وجہ سے آپ کی محبت کا ایک عجیب رنگ چڑھ گیا ہے۔ ہر وقت آپ سے ملنے کی تمنا ہوتی ہے۔ روز پوچھے گا آج جمعرات ہے؟ مطلب یہ ہوتا ہے کہ کل جمعہ ہوگا؟"۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰ر مارچ ۱۹۹۳ء)

پھر فرمایا: "جو خطوط مل رہے ہیں ان کی ساری باتیں تو آپ کے سامنے نہیں رکھ سکتا لیکن اتنے پیارے خطوط ہیں، ایسے عمدہ رنگ میں جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ہر جمعہ پہ دل چاہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ان میں آپ کو بھی یعنی سننے والوں کو شریک کروں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک احمدی رسالے میں ایک نوجوان احمدی شاعر کا ایک شعر پڑھا تھا۔ عبدالکریم قدسی صاحب ان کا نام ہے۔ ان کا مقطع تھا وہ مجھے بہت ہی پسند آیا۔ وہ شعر یہ تھا ؂

آ تیرے بعد گلے ملنا ہی بھول گیا
آ قدسی کو سینے سے لگا پہلے کی طرح

اب تو یہ ایک قدسی کے دل کی آواز نہیں رہی اب تو لاکھوں دلوں سے یہی آواز اٹھ رہی ہے کہ ؂

آ تیرے بعد گلے ملنا ہی بھول گئے
آ ہم سب کو سینے سے لگا پہلے کی طرح

تو دعا کریں کہ واقعۃً سینے سے لگنے اور سینے سے لگانے کے سامان ہوں اور روحانی لحاظ سے تو جو آثار ظاہر ہو رہے ہیں یوں لگتا ہے کہ انشاء اللہ تمام احمدیوں کے دل ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔ تمام احمدیوں کے سینے ایک دوسرے سے مل جائیں گے"۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ر جنوری ۱۹۹۳ء)

"بعض جگہوں سے خبریں ملیں کہ ایک گاؤں چھوڑ کر جہاں بجلی بند ہو گئی تھی مرد، عورتیں اور بچے

باقی صفحہ نمبر ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں

پاکستان میں احمدیوں پر مظالم کی داستان

گزشتہ ایک سال کے چند خاص واقعات

رشید احمد چوہدری۔ پریس سیکرٹری

جماعت احمدیہ کی مخالفت کا سلسلہ الٰہی جماعت ہونے کی وجہ سے جماعت کے قیام سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ مخالفین کی انتھک کوشش تھی کہ کسی طرح یہ سلسلہ بڑھنے نہ پائے۔ مگر چونکہ احمدیت خدا تعالیٰ کا لگایا ہوا پودا ہے اس لئے بڑھنا اس کے مقدر میں تھا۔ چنانچہ وہ دن بہ دن بڑھتا گیا اور پھلتا پھولتا گیا اور آج ایک بڑے تناور درخت کی طرح پھیل چکا ہے۔ جس کے سائے میں دنیا کے ۱۵۶ ممالک کے مختلف اقوام کے لاکھوں باشندے پناہ لئے ہوئے ہیں۔

جماعت احمدیہ مخالفت کے مختلف ادوار میں سے گزری ہے مگر آج کا دور ایسا ہے کہ جس میں بعض حکومتوں کی طرف سے احمدیت کو نیست و نابود کرنے کے لئے پورا زور لگایا گیا اور لگایا جا رہا ہے۔ ۱۹۷۴ء میں پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو نے جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دے کر سمجھا کہ اب جماعت ختم ہو گئی مگر اس کی ترقی کی رفتار میں ذرہ بھر بھی کمی نہ آئی۔ اس کے بعد ڈکٹیٹر ضیاء الحق کا دور آیا اور اس نے اینٹی احمدیہ قوانین رائج کئے اور جماعت کو پاکستان سے مکمل طور پر ختم کرنے کا اعلان کیا۔ پاکستان میں احمدی کہلانا ایک جرم بن گیا۔ قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہوا۔ احمدی شہداء کے قاتلوں کی نشاندہی کے باوجود ان میں سے اکثر پکڑے نہ گئے بلکہ بعض مقامات پر "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے ملاؤں نے ان قاتلوں کو قومی ہیرو بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ زندگی کے ہر شعبہ میں جماعت احمدیہ کے ممبران کے ساتھ زیادتیاں ہوتی رہیں۔ ان کے بنیادی حقوق کو ہر طرح پامال کیا گیا۔ نوکریوں سے بلاوجہ برخواست کیا گیا۔ ملک کے تعلیمی اداروں میں احمدی طلباء کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ ہوسٹلوں میں ان کو مارا پیٹا گیا ان کے سامان کو باہر رکھ کر نذر آتش کیا گیا حتیٰ کہ سکول، کالج، یونیورسٹی وغیرہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔

تجارت میں احمدیوں کے لئے روکیں پیدا کی گئیں۔ بعض جگہوں پر سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ کھانے پینے کی ضروریات کے حصول کو روک دیا گیا۔ بسوں اور ٹرینوں پر ان کی شناخت ہونے پر زدوکوب کیا گیا۔ مکانوں اور دوکانوں کو لوٹا گیا اور پھر خاکستر کر دیا گیا۔ مساجد کی بے حرمتی کی گئی۔ کلمہ طیبہ مٹایا گیا۔ قبرستانوں میں تدفین پر روکیں ڈالی گئیں۔ بعض جگہوں پر قبر کشائی کر کے نعشیں باہر پھینک دی گئیں۔

ان مصائب اور تکالیف کے باوجود احمدی مسلمانوں کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور اذیت کے باوجود انہوں نے صبر و استقلال کا وہ نمونہ دکھایا جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں نظر آتا ہے۔ احمدیوں پر ظلم و ستم کے دلخراش واقعات تو بے شمار ہیں مگر یہاں صرف ان چند واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو گزشتہ ایک سال کے عرصہ میں ظہور پذیر ہوئے۔ گزشتہ سال ان واقعات میں تیزی اس وجہ سے بھی آئی کہ ملک کے وزیر اعظم نواز شریف نے وزارت عظمیٰ پر متمکن ہوتے ہی اعلان فرمایا کہ وہ سابق حکمران ضیاء الحق کی پالیسیوں پر عمل کریں گے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ جماعت احمدیہ کے ایک شدید ترین دشمن راجہ ظفر الحق کو وزیر مذہبی امور مقرر کر دیا اور رہی سہی کسر اس طرح پوری ہو گئی کہ صدر مملکت احراری جج رفیق تارڑ کو بنا دیا گیا۔

چنانچہ حکومت کے ان اقدامات کی وجہ سے جماعت کے مخالفین کو شہ ملی اور احمدیوں پر بے شمار جھوٹے مقدمات خاص طور پر توہین رسالت کے الزام میں مقدمات درج ہونے لگے۔

شہداء

(۱)...... عتیق احمد باجوہ صاحب جو جماعت احمدیہ وہاڑی کے ایک لمبے عرصہ تک امیر رہے تھے کو ۱۹ر جون ۱۹۹۷ء کو دن دہاڑے گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا۔ دو قاتل موٹر سائیکل پر سوار ہو کر آئے اور پچھلی سیٹ پر بیٹھے شخص نے باجوہ صاحب کی کار پر اندھا دھند گولیاں برسائیں جس کے نتیجہ میں باجوہ صاحب وہیں جام شہادت نوش کر گئے۔ ان کے جسم میں ۱۸ گولیوں کے زخموں کے نشان پائے گئے۔ غیر احمدی مخالفین ایک عرصہ سے ان کو دھمکیوں بھرے خطوط لکھ رہے تھے۔ ۱۹۹۲ء میں ان پر ایک میٹنگ کے دوران قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کرنے پر توہین رسالت کا مقدمہ بھی دائر کیا گیا تھا اور ان کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں بھی ملتی رہیں مگر شیر دل باجوہ صاحب ان دھمکیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تبلیغ دین میں مصروف رہے اور بالآخر شہادت کا رتبہ پایا۔

(۲)...... موضع دھونیکی ضلع گوجرانوالہ کے ایک احمدی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کو ۲۸ر اکتوبر ۱۹۹۷ء کو مخالفین سلسلہ نے شہید کر دیا۔ واقعات کے مطابق ان کو ان کے گھر سے بندوق کی نوک پر اغوا کیا گیا۔ اور شہید کر کے تھوڑی دور نالہ میں ان کی نعش کو پھینک دیا گیا۔ پولیس نے قاتلوں کو گرفتار کر لیا مگر ملاؤں نے شور ڈالا اور قاتلوں کو قومی ہیرو بنا کر پیش کیا۔ ان کی رہائی کے لئے ایک ذیلی تنظیم بنائی گئی اور لوگوں سے فنڈ اکٹھے کئے گئے۔

(۳)...... شکارپور سندھ کے قائم مقام امیر مظفر احمد صاحب شرما ایڈووکیٹ کو ۱۲ر دسمبر ۱۹۹۷ء کو شہید کیا گیا۔ ان کو بھی ختم نبوت کے ملاؤں کی طرف سے ایک عرصہ سے قتل کی دھمکیاں مل رہی تھیں۔ اخبارات میں دھمکیوں کے خطوط برابر شائع ہوتے رہے۔ اور لوگوں کو قتل پر اکسایا جاتا رہا مگر حکومت کے کارندوں نے ان کا مطلق نوٹس نہ لیا۔ شرما صاحب بازار میں موٹر سائیکل پر جا رہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے فائر کر کے ان کو شدید زخمی کر دیا۔ فوری طور پر ہسپتال پہنچایا گیا مگر وہ زخموں کی تاب نہ لا کر جام شہادت نوش کر گئے۔

(۴)...... چند ہفتے قبل ۷ر جولائی ۱۹۹۸ء کو واہ کینٹ میں رہائش پذیر ۶۲ سالہ احمدی مکرم ایوب اعظم صاحب کو گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا۔ مرحوم واہ آرڈیننس فیکٹری میں ایک شعبہ کے اسسٹنٹ منیجر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے تھے۔ مدت سے صاحب فراش تھے اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ بڑی مشکل سے شام کے وقت گھر سے نکلتے اور آہستہ آہستہ تھوڑی دور ایک دوکان تک تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ یہی ان کا معمول تھا۔ ۷ر جولائی کی شام کو حسب معمول گھر سے نکلے اور دوکان پر پہنچ کر ستانے کے بعد واپس آ رہے تھے کہ تین آدمیوں نے فائر کھول دیا۔ ان کو ہسپتال پہنچایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے۔

قاتلانہ حملے

(۱)...... جماعت احمدیہ بھڈال کے ایک عہدیدار نذیر احمد پر فائرنگ کی گئی۔ ان کی ٹانگ پر گہرے زخم آئے مگر جان محفوظ رہی۔ حملہ آور جماعت احمدیہ کا شدید ترین دشمن تھا۔

(۲)...... مانسہرہ میں خدام الاحمدیہ کے قائد عدیل احمد کو ختم نبوت کے کارکنوں نے گھیرے میں لے کر سخت زدوکوب کیا۔

(۳)...... چک جھمرہ میں مخالفین کے ایک ہجوم نے منور احمد صاحب کو جو کچھ عرصہ قبل بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے تھے پکڑ کر زمین پر گھسیٹا اور لاتوں اور مکوں سے مار مار کر ان کو شدید زخمی کر دیا۔

(۴)...... ڈیرہ غازیخان کے ایک علاقہ مجاہد آباد میں مسجد احمدیہ میں تین احمدی نوجوان نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک حملہ آور مسجد میں گھس آیا اور ان پر آٹومیٹک پستول سے فائرنگ کر دی جس کے نتیجہ میں بلال ناصر قائد خدام الاحمدیہ شدید زخمی ہوئے اور انہیں آپریشن کے لئے فضل عمر ہسپتال ربوہ پہنچایا گیا۔

(۵)...... ۲۴ر اپریل کو کراچی کے ایک نوجوان محمد اختر شاہ صاحب کو جب وہ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد گھر واپس آ رہے تھے تو مخالفین کے ایک ہجوم نے پکڑ لیا۔ اور ان کو شدید زدوکوب کیا گیا۔ یہ ہجوم نزدیکی مسجد سے نکلا تھا جو ملاؤں کی تقریر سے سخت مشتعل تھا کیونکہ ملاں نے محمد اختر شاہ صاحب کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ احمدیت کی تبلیغ کرتا ہے اور لوگوں کو مرتد کرتا ہے۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر محمد اختر شاہ صاحب کی جان بچائی اور ان کو مخالفین کے چنگل سے چھڑایا اور تھانہ لے گئے جہاں مخالفین نے پولیس پر دباؤ ڈالا کہ ان کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے۔ چنانچہ محمد اختر شاہ صاحب کے خلاف نقض امن کی دفعات کے تحت مقدمہ درج ہوا مگر کسی ملاں کو جو اصل ملزم تھے کچھ نہ کہا گیا۔

احمدیہ مساجد پر قبضہ کی کوششیں

(۱)...... کھاریاں میں ایڈیشنل سیشن جج نے جماعت احمدیہ کو اپنی مسجد میں داخل ہونے سے منع کر دیا اور اسے مخالفین کے حوالے کر دیا۔ اس نے کہا کہ احمدی چونکہ غیر مسلم ہیں اس لئے انہیں مسجد استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں۔

(۲)...... دوالسیال میں بھی ایک عرصہ کے لئے احمدیوں کو ان کی مسجد سے بے دخل کر دیا گیا۔

(۳)...... گولیکی میں واقع جماعت احمدیہ کی مسجد کو مقامی مجسٹریٹ نے سیل کر دیا۔

(۴)...... سندھ کے علاقہ ٹنڈو اللہ یار میں باوجودیکہ احمدیوں نے مقامی اتھارٹی سے مسجد بنانے یا اس کی توسیع کرنے کی اجازت حاصل کر رکھی تھی، مخالفین نے ان کو مسجد بنانے یا توسیع کرنے یہاں تک کہ مرمت کرنے سے بھی روک دیا۔

(۵)...... کراچی کے حلقہ ڈرگ روڈ کالونی میں واقع احمدیہ مسجد کو جس میں گزشتہ ۲۵ سال سے احمدی مسلمان نماز ادا کرتے آ رہے تھے، کو پولیس نے سیل کر دیا اور تمام نمازیوں کو مسجد سے نکال دیا۔ پولیس کی موجودگی میں کوئی ایک ہزار کے لگ بھگ مخالفین کے ہجوم نے مسجد کو گھیرے رکھا۔ مسجد پر خشت باری کی گئی، ٹیلیفون کی لائنیں کاٹ دی گئیں مگر پولیس نے مظاہرین کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

احمدیت کی مخالفت میں جلسے اور جلوس

پاکستان کے طول و عرض میں کئی مقامات پر اکثر ملاں جلسے اور جلوس منعقد کرتے رہے ہیں جن میں جماعت احمدیہ کے اکابرین پر دشنام طرازی کی جاتی ہے اور سخت اشتعال انگیز تقاریر کی جاتی ہیں۔ جمعہ کے خطبات میں بھی عوام کو جماعت احمدیہ کے خلاف اکسایا جاتا ہے۔ احمدیوں کے قتل کی ترغیب دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ۶ر ستمبر ۱۹۹۷ء کو اوکاڑہ کے نواحی چک میں تین ملاؤں نے جلسوں میں لوگوں کو احمدیوں کے قتل کی ترغیب دی۔

چوکی میں جامع مسجد کے ملاؤں نے فتویٰ دیا کہ پاکستان کی اسلامی حکومت کو تمام احمدیوں کو قتل کر دینا چاہئے کیونکہ وہ مرتد ہیں۔

حال ہی میں ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی کا ایک بیان اخبار جنگ ۱۱ر جولائی ۱۹۹۸ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے کہا: ''حکومت اور مسلمان قادیانیوں کو سر عام قتل کر دیں''۔

توہین رسالت کے مقدمات

دنیا بھر میں ہر ذی ہوش انسان جس نے احمدیت کا معمولی سا بھی مطالعہ کیا ہے اس بات پر گواہ ہے کہ جماعت احمدیہ کا اوڑھنا بچھونا ہی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کام کرنا ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کو ہی اپنا آقا اور مطاع یقین کرتے ہیں۔ خود بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مہدی زمان اور مسیح موعودؑ نے فرمایا:

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

مگر ملاؤں کی منطق ملاحظہ فرمایئے کہ اگر ایک احمدی درود پڑھتا ہے یا قرآنی آیات کی تلاوت کرتا ہے یا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھتا ہے تو وہ توہین رسالت کا مرتکب ہوتا ہے اور اس پر قانون کی دفعہ 295/C کا اطلاق ہوتا ہے اور اس جرم کی سزا صرف موت مقرر کی گئی ہے۔ گویا درود پڑھنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا اتنا بڑا جرم ہے کہ ہر احمدی کو موت کی سزا ملنی چاہئے۔ احمدیوں پر توہین رسالت کے مقدمات تو بے شمار ہیں مگر یہاں صرف چند مثالیں دینے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے:

(۱)...... نومبر ۱۹۹۳ء میں ایک مخالف سلسلہ کی گواہی پر پپلاں ضلع میانوالی کے مکرم ریاض احمد صاحب نمبردار اور ان کے چند عزیزوں پر دفعہ 295/C کے تحت ایک مقدمہ درج کیا گیا۔ ان پر الزام یہ لگایا گیا کہ انہوں نے کہا کہ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے معجزات کی تعداد رسول کریم ﷺ کے معجزات کی تعداد سے زیادہ ہے۔ اس نہایت بودے اور جھوٹے الزام کی وجہ سے مخالفین نے ان کی ضمانت کی درخواست عدالتوں میں منظور نہ ہونے دی اور عرصہ چار سال سے اوپر ہو گیا ہے کہ یہ احمدی جیل میں بند ہیں۔

(۲)...... شرقپور ضلع شیخوپور میں مربی عبدالقدیر صاحب اور ان کے دو عزیزوں کے خلاف ایک مقدمہ زیر دفعہ 298/A ۲۸ر اکتوبر ۱۹۸۸ء کو درج کیا گیا۔ ان کا جرم احمدیت کی تبلیغ بتایا گیا۔ ساڑھے چھ سال کی

مقدمہ بازی کے بعد مارچ ۱۹۹۵ء میں جب مخالفین کے وکلاء اس دفعہ کے تحت جرم ثابت نہ کر سکے تو مخالف فریق نے مجسٹریٹ کی عدالت میں درخواست دی کہ 298/C کی بجائے دفعہ 295/C کے تحت مقدمہ چلایا جائے۔ مجسٹریٹ نے کیس سیشن جج کو بھجوا دیا مگر سیشن کورٹ نے فیصلہ دیا کہ دفعہ 295/C (توہین رسالت) کا اطلاق اس کیس پر نہیں ہوتا۔ اور دوبارہ کیس مجسٹریٹ کو واپس بھجوا دیا۔ اس دوران سیشن جج تبدیل ہو چکے تھے اس لئے مجسٹریٹ نے پھر اصرار کیا کہ مقدمہ توہین رسالت کا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ سے رجوع کیا گیا مگر اس نے درخواست رد کر دی۔ سپریم کورٹ نے بھی استدعا نہ سنی بلکہ سیشن جج کو لکھا کہ وہ اس کیس کا فیصلہ دو ماہ کے اندر کرے چنانچہ ایڈیشنل سیشن جج شیخوپورہ رانا زاہد محمود نے یکم دسمبر کو فیصلہ سناتے ہوئے تینوں احمدیوں کو عمر قید اور ۵۰ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی۔

(۳)...... ۱۹۹۶ء کے آخر میں سندھ میں نگران حکومت نے ایک احمدی کنور ادریس صاحب کو اپنی کابینہ میں شامل کر لیا۔ احمدی ہونے کی وجہ سے کنور ادریس صاحب کے خلاف ملاؤں نے ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔ ان کو وزارت سے ہٹانے کے مطالبات ہونے لگے۔ احمدیوں کو ملک کا غدار کہا گیا۔ اس موقعہ پر اخبار جنگ نے کنور ادریس صاحب کا انٹرویو شائع کیا جس میں انہوں نے حقائق بیان فرمائے۔ اس انٹرویو میں اسلامی اصطلاحات کے استعمال کی وجہ سے اور چونکہ اخبار میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا ایک خط جو انہوں نے کنور ادریس صاحب کو تحریر فرمایا تھا کا عکس بھی شائع کیا گیا تھا اور خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر تھا اس لئے کنور ادریس صاحب اور امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خلاف توہین رسالت کے مقدمات قائم کر دئے گئے۔

یہ اور اس قسم کے بیشمار ظالمانہ اقدامات پر ہم صرف یہی کہتے ہیں کہ تم جو ظلم و ستم چاہتے ہو کر و خدا کا کلام برحق ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ ناکامی ہمارے دشمنوں کا مقدر ہے اور انجام کار فتح ہماری ہے۔

هفت روزہ الفضل انٹرنیشنل کا سالانہ چندہ خریداری

برطانیہ: پچیس (۲۵) پاؤنڈز سٹرلنگ

یورپ: چالیس (۴۰) پاؤنڈز سٹرلنگ

دیگر ممالک: ساٹھ (۶۰) پاؤنڈز سٹرلنگ

بقیہ: حاصل مطالعہ از صفحہ ۱۶

وہ بوسنیا اور چیچنیا میں کہاں ہیں؟

☆...... ہادی عالم، پیغمبر رحمت حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں دریدہ دہنی کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ان النص هو القرآن والسنة وانه لم يعد صالحا لزماننا كتبه رجل عاش فى الصحراء يركب الجمل والبغل والحمار و يعيش فى خيمة منذ خمسه عشر قرن فكيف يصلح لمن يركب سفينة الفضاء"۔

ترجمہ: نص قرآن وسنت کا نام ہے اور یہ ہمارے زمانے کے لئے قابل عمل نہیں ہے، جسے ایسے شخص نے لکھا ہے جو صحراء میں رہتا تھا۔ اونٹ، خچر اور گدھے پر سوار ہوتا تھا۔ یہ پندرہ صدیوں کے بعد اس شخص کے لئے کیسے قابل عمل ہو سکتی ہے جو ہوائی جہاز پر سوار ہوتا ہے۔

اس عبارت میں جہاں دریدہ دہن مصنف نے آنحضرت فداہ ابی وامی ﷺ کی شان اقدس میں بے ادبی و گستاخی کی ہے وہاں یہودی وعیسائی مستشرقین کی پیروی میں قرآن کریم کو وحی خداوندی ماننے کی بجائے اسے آنحضرت ﷺ کی تصنیف قرار دیا ہے (نعوذباللہ من ذلک)

☆...... شان رسالت میں گستاخی و بے ادبی پر مشتمل ایک اور عبارت یوں ہے:

"اذا اردتم يا بنى قومى ان تركبوا اطباق الفضاء فتخلوا عن خرافات ساكن الصحراء"

ترجمہ: اے میری قوم کے نوجوانو! اگر تم فضا کی بلندیوں پر اڑنا چاہتے ہو تو صحراء نشین کی خرافات سے پیچھا چھڑاؤ۔ (العیاذباللہ)

(ماہنامہ "حق یار" لاہور اکتوبر ۱۹۹۷ء صفحہ ۲۶،۲۵)

حیرت ہے کہ ملتان کے بزرگ صحافی کی آنکھوں نے مصر میں ظاہر ہونے والے دریدہ دہن اور ملعون "رشدی" کو تو دیکھ لیا مگر ان کی نگاہ بصیرت ان مسجد فروش اور دین فروش "رشدیوں" کو پہچاننے سے قاصر ہے جن کے اکابر و اصاغر کی تحریریں خدا تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، انبیاء علیہم السلام اور اہل بیت کی گستاخیوں، اہانتوں اور بے ادبیوں سے بھری ہوئی ہیں اور ان 'رشدیوں' کا گڑھ ملتان ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "دیوبندی مذہب" مصنفہ مناظر اسلام حضرت مولانا غلام مہر علی صاحب خطیب اعظم چشتیاں۔ ناشر مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور)

بابائے صحافت مولوی ظفر علی خان صاحب مدیر "زمیندار" نے انہی گستاخان رسولؐ کی نسبت ایک نظم میں مسلمانان عالم کو متنبہ کیا تھا کہ:

اللہ کے قانون کی پہچان سے بیزار
اسلام اور ایمان اور احسان سے بیزار
ناموس پیغمبر کے نگہبان سے بیزار
کافر سے موالات، مسلمان سے بیزار
اس پر ہے یہ دعویٰ کہ ہیں اسلام کے احرار
احرار کہاں کے یہ ہیں اسلام کے غدار
پنجاب کے احرار، اسلام کے غدار

("قائد اعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۳۱۸،۳۱۷ مؤلفہ جناب رئیس احمد جعفری، ناشر مقبول اکیڈمی شاہراہ قائد اعظم لاہور۔ اشاعت ۱۹۹۱ء)

☆......☆......☆

بقیہ "الفضل ڈائجسٹ" از صفحہ ۳۰

☆ "نور الہام کا بھی خاص خدا کی طرف سے اور اس کے ارادہ سے نازل ہوتا ہے یونہی اندر سے جوش نہیں مارتا۔"

☆ "الہام الٰہی کی ہدایت ہر یک طبیعت کے لئے نہیں بلکہ ان طبائع صافیہ کے لئے ہے جو صفت تقویٰ اور صلاحیت سے متصف ہیں۔"

☆ "کوئی شخص صرف اس صحیفہ فطرت پر نظر کر کے کوئی فائدہ علم دین کا اٹھا نہیں سکتا اور جب تک الہام رہبری نہ کرے خدا کو پا نہیں سکتا۔"

☆ "عقل صرف ضرورت شئے کو ثابت کرتی ہے خود شئے کو ثابت نہیں کر سکتی۔"

☆ "الہام کامل اور حقیقی کہ جو...... مذاہب باطلہ کے ہر یک قسم کے وساوس کو کلی دور کرتا ہے اور طالب حق کو مرتبہ یقین کامل تک پہنچاتا ہے وہ فقط قرآن شریف ہے۔"

☆ "اس وقت انسان کو مقرب الٰہی بولا جاتا ہے جب وہ ارادہ اور نفس اور خلق اور تمام اضداد اور اغیار سے کلی الگ ہو کر طاعت اور محبت الٰہی میں سراپا محو ہو جاوے اور ہر یک ماسوا اللہ سے پوری دوری حاصل کر لیوے اور محبت الٰہی کے دریا میں ایسا ڈوبے کہ کچھ اثر وجود اور انانیت کا باقی نہ رہے۔"

☆ "جب تک نورِ قلب و نورِ عقل کسی انسان میں کامل درجے پر نہ پائے جائیں تب تک وہ نور وحی ہرگز نہیں پاتا۔"

☆ "بغیر معقول وجوہ رکھنے کے بدظنی کرنا ایک شعبہ دیوانگی کا ہے۔"

☆ "خداوند تعالیٰ نے اہل اللہ کو ایسی فطرت بخشی ہے کہ اُن کی نظر اور صحبت اور توجہ اور دعا اکسیر کا حکم رکھتی ہے بشرطیکہ شخص مستفیض میں قابلیت موجود ہو۔"

☆ "اہل اللہ کا وجود خلق اللہ کے لئے ایک رحمت ہوتا ہے۔"

☆ "ادب اور صدق اور صبر برکات الٰہیہ کے لئے شرط اعظم ہے۔"

☆ "دعا ایک مجاہدہ اور کوشش ہے اور کوششوں پر جو ثمرہ مترتب ہوتا ہے وہ صفت رحیمیت کا اثر ہے۔"

IMPORTANT NOTICE

All Rights of ALL the publications and books of the Jamaat are reserved. No part of these publications, books and materials in particular the recent book of Hazrat Ameer-ul-Momeneen 'Revelation, Rationality, Knowledge and Truth', may be reproduced by any means, electronic (i.e. INTERNET or others) or mechanical including photocopying, recording or any Information Storage and Retrieval systems save with the written permission from the Centre at: 16 Gressenhall Road London SW18 5QL.

Tel: +44 181 870 0922, Fax: +44 181 870 0684.

Any unauthorized or restricted acts in relation to the said publications and materials may result in civil proceedings for damages and/or criminal prosecution: copyright (c) 1998 by Islam International Publications Ltd.

هفت روزہ الفضل انٹرنیشنل کے خریداران کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ جلسہ سالانہ برطانیہ کی مناسبت سے الفضل کا شمارہ نمبر ۳۱، ۳۲ کو اکٹھا شائع کیا جا رہا ہے۔ اس لئے اگلے ہفتہ کا اخبار شائع نہیں ہوگا۔ (مینیجر)

کھلا کپڑا اور ریڈی میڈ سوٹ خصوصی رعایتی قیمت پر

جلسہ سالانہ پر آنے والے احمدی مسلمان بھائیوں کے لئے خصوصی رعایتی قیمت پر کھلا کپڑا اور ریڈی میڈ سوٹ کے لئے ہماری دوکان پر تشریف لائیں جو ساؤتھ آل میں ۹۵ دی براڈوے پر ہے

The name in Indian Fashion

G.R.FABRICS- 95 The Broadway - Southall

Tel: 0181-813-8204

Continental Fashions

گروس گیراؤ شہر کے عین وسط میں خواتین کے لئے جدید اور دیدہ زیب ملبوسات، کھلا کپڑا، بچوں کے لئے چوڑیاں، دوپٹے، کاجل، مہندی، ابٹن، بندیا، پازیب، جدید فیشن کی ایشین اور یورپین جیولری اور شادی بیاہ کی دیگر اشیاء کے علاوہ

اگر آپ جرمنی سے پاکستان یا کسی اور ملک کے لئے ہوائی سفر کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے رجوع کریں۔ آپ جہاں کہیں بھی ہوں ٹکٹ کی ہوم ڈلیوری کا انتظام موجود ہے۔

خوشخبری، بذریعہ سعودی عربین ائرلائنز پاکستان جاتے ہوئے براستہ جدہ عمرہ کی سہولت، کرایہ نہایت پرکشش

Continental Fashions

Walther rathenau Str.6, 64521 Gross Gerau - Germany

Tel: 06152-39832 /911334

Fax: 06152-911335

Mobile: 0171-6356206

E-Mail Asad.Tariq@t-online.de

TOWNHEAD PHARMACY

31 Townhead Kirkintilloch

Glasgow G66 1NG

☆......☆......☆

FOR ALL YOUR PHARMAECUTICALS NEEDS

Tel: 0141-211-8257

Fax: 0141-211-8258

الفضل ڈائجسٹ

(مرتبہ : محمود احمد ملک)

اس کالم میں ان اخبارات و رسائل سے اہم اور دلچسپ مضامین کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو دنیا کے کسی بھی حصہ میں جماعت احمدیہ یا ذیلی تنظیموں کے زیرانتظام شائع کئے جاتے ہیں- اردو یا انگریزی کے علاوہ دیگر زبانوں میں رسائل بھجوانے والوں سے درخواست ہے کہ براہ کرم اہم مضامین اور اعلانات کا خلاصہ اردو یا انگریزی میں بھی ارسال فرمایا کریں- اپنے رسائل ذیل کے پتہ پر ارسال فرمائیں:

AL-FAZL DIGEST,6 HARDWICKS WAY,
LONDON SW18 4AJ U.K.

"الفضل ڈائجسٹ" کے بارے میں آپ اپنے تاثرات اب e-mail کے ذریعے بھی ارسال کرسکتے ہیں:

mahmud@btinternet.com

ماہنامہ "انصاراللہ" ربوہ کا براہین احمدیہ نمبر ۲

ماہنامہ "انصاراللہ" ربوہ کا فروری ۹۸ء کا شمارہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پُرمعارف کتاب "براہین احمدیہ" کے حوالے سے خصوصی اشاعت نمبر ۲ کے طور پر شائع کیا گیا ہے- قبل ازیں دسمبر ۹۷ء کا خصوصی شمارہ اس سلسلہ کا نمبر ایک تھا جس کا ذکر ہفت روزہ "الفضل انٹرنیشنل" کے ۲۹؍مئی ۹۸ء کے شمارہ کے اسی کالم میں کیا جاچکا ہے- ذیل میں ماہنامہ "انصاراللہ" کی خصوصی اشاعت نمبر ۲ کے اہم مضامین کا مختصر تعارف ہدیہ قارئین ہے-

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کتابیں ایک ایسے شخص نے لکھی ہوں جس پر فرشتے نازل ہوتے تھے، ان کے پڑھنے سے بھی ملائکہ نازل ہوتے ہیں- چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتابیں جو شخص پڑھے گا اس پر فرشتے نازل ہوں گے- یہ ایک خاص نکتہ ہے کہ کیوں حضرت اقدسؑ کی کتابیں پڑھتے ہوئے نکات اور معارف کھلتے ہیں-

-----☆-----☆-----☆-----

"تصدیق براہین احمدیہ"

حضرت مولوی الحاج حکیم نورالدین صاحبؓ ۱۸۴۱ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے- آپکے والد محترم حافظ غلام رسول صاحب نے، جو ایک علم دوست شخصیت تھے، آپ کو زیور علم سے آراستہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی- بعد میں آپ نے نارمل سکول راولپنڈی میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے اور پھر چار سال تک پنڈدادنخان کے سکول کے ہیڈماسٹر بھی رہے لیکن اس دوران بھی تحصیل علم کو جاری رکھا- اس کے بعد ملازمت ترک کرکے ہندوستان کے بڑے شہروں کی طرف حصول علم کیلئے روانہ ہوئے اور علم کی بھی پیاس آپ کو یمن، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ لے گئی جہاں آپ کئی سال مقیم رہے-

حضرت مولوی صاحبؓ کے پاس علمی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ تھا جس میں بیرون ملک سے منگوائی گئی کئی نایاب کتب یا ان کے مخطوطے شامل تھے- یہ لائبریری ہندوستان میں عدیم المثال تھی اور حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنی بعض تحریروں میں اس کی بہت تعریف فرمائی ہے- حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کے بارے میں فرمایا "میرے دوستوں میں ایک دوست سب سے زیادہ محبوب اور میرے محبوں میں سب سے زیادہ مخلص، فاضل، علامہ، رموز کتاب مبین، عارف علوم الحکم والدین ہیں جن کا نام اپنی صفات کی طرح مولوی حکیم نورالدین ہے"-

بہت سے مسلمان علماء حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے علم و فضل کے دل سے معترف تھے- سر سید احمد خان صاحب آپؓ کو علم کی آخری منزل سمجھا کرتے تھے- ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ جاہل علم پڑھ کر عالم بنتا ہے اور عالم ترقی کرکے حکیم ہو جاتا ہے اور حکیم ترقی کرتے کرتے صوفی بن جاتا ہے مگر جب صوفی ترقی کرتا ہے تو کیا بنتا ہے؟ جس کے جواب میں سرسید نے لکھا کہ وہ نورالدین بنتا ہے-

اخبار زمیندار لکھتا ہے "کہا جاتا ہے کہ زمانہ سو برس تک گردش کرنے کے بعد ایک باکمال پیدا کیا کرتا ہے- الحق اپنے تبحر علم و فضل کے لحاظ سے مولانا حکیم نورالدین بھی ایسے باکمال تھے"- اسی طرح لیکھرام کے ایک دوسرے بھائی دھرمپال نے جب ایک کتاب "ترک اسلام" لکھی تو اس کتاب کے جواب میں حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے بھی ایک کتاب "نورالدین" تحریر فرمائی جس کی بدولت دھرمپال نے آخر اسلام قبول کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ "میرے اعتراضات کا جواب دینے میں نورالدین کے مصنف کا نشانہ علمی معلومات کی بدولت بے خطا ہوتا تھا"-

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ کے اسلام کی راہ میں قلمی جہاد کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ "...... اس نے ایسی کتب تصنیف کیں جو کہ وافر معانی کے فوائد اور دقائق کثیر پر مشتمل ہیں اور جن کی نظیر پہلی کتابوں میں نہیں ملتی- ان کتب کی عبارتیں اپنے اختصار و ایجاز کے باوجود فصاحت و بلاغت سے پُر ہیں اور عمدگی اور حسن و خوبصورتی اس کے الفاظ میں ہے ...... اور جو بھی قرآن مجید کے پوشیدہ امور کو حل کرنا چاہتا ہے اور اس کے اسرار کا علم چاہتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ ان کتب کا گہری نظر سے مطالعہ کرے ...... ان کتب میں سے ایک 'فصل الخطاب' ہے اور ان میں سے ایک 'تصدیق البراہین' ہے"-

حضرت مسیح موعودؑ نے "براہین احمدیہ" میں دس ہزار روپے کا انعام اس شخص کے لئے مقرر کیا تھا جو اس کے مقابل پر کتاب لکھے- چنانچہ ہندوؤں کی نمائندگی میں پنڈت لیکھرام نے "تکذیب براہین احمدیہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے دو حصے تھے- ۱۰۲ صفحات کا پہلا حصہ لیکھرام کی زندگی میں شائع ہوا جبکہ دوسرا اسکے مرنے کے بعد نوٹس کی شکل میں تھا- لیکھرام نے دراصل حضرت اقدس علیہ السلام کے دلائل کا رد نہیں لکھا بلکہ صرف تکذیب اور تمسخر کیا- چنانچہ حضورؑ نے اس کے بارے میں فرمایا "ہمیں ہرگز امید نہیں کہ تمیزدار ہندو اس کتاب کو پڑھ کر پھر یہ رائے ظاہر کرسکے کہ اس کے مؤلف کو عقل اور فہم اور علم دین سے کچھ حصہ ہے یا تہذیب اور شرافت سے اس کی فطرت کو کچھ تعلق ہے-"

لیکھرام کی کتاب کے جواب میں ایک مسلمان عالم مولوی ابورحمت حسن نے بھی 'تہذیب الکذبین' نامی کتاب شائع کی اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے بھی ۱۸۹۰ء میں 'تصدیق براہین احمدیہ' جیسی لاجواب کتاب تصنیف فرمائی- حضورؓ کی کتاب کا آغاز جس تعارف سے ہوتا ہے وہی اپنی ذات میں ایک جامع اور مبسوط مضمون ہے- "تصدیق براہین احمدیہ" کے مضامین پر ایک تحقیقی نظر مکرم سید مبشر احمد ایاز صاحب کے قلم سے ماہنامہ "انصاراللہ" کی خصوصی اشاعت میں شامل ہے-

-----☆-----☆-----☆-----

"تصدیق براہین احمدیہ" میں شامل حضرت سید حامد شاہ صاحبؓ سیالکوٹی کی نظم سے تین اشعار:

صداقت منصفوں سے داد لے گی
عجب تصدیق کا طرز بیاں ہے
ذرا تکذیب کو رکھ کر مقابل
بتائیں کون ان میں بدزباں ہے
نہیں تعریف کرنے کی غرض کچھ
صداقت خودبخود یہاں مدح خواں ہے

-----☆-----☆-----☆-----

ماہنامہ "انصاراللہ" ربوہ کے براہین احمدیہ نمبر ۲ میں حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ اور مولوی محمد حسین بٹالوی کی طرف سے لکھے گئے ریویو بھی نقل کئے گئے ہیں- علاوہ ازیں مولانا مولوی محمد شریف بنگلوری کی طرف سے "براہین احمدیہ" کا جواب دینے والے کو مزید ایک ہزار روپیہ کا انعامی چیلنج دیا گیا تھا، وہ بھی شامل اشاعت ہے-

-----☆-----☆-----☆-----

براہین احمدیہ کی طباعت و اشاعت

براہین احمدیہ کی طباعت کے وقت حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے بہت سی مشکلات تھیں- ایک گمنام بستی میں آپ رہائش پذیر تھے، اشاعتی کاموں کا کوئی تجربہ نہ تھا اور سرمایہ بھی پاس نہ تھا- ان ظاہری ناموافق حالات میں آپ نے دعا کی تو الہام ہوا کہ کھجور کا تنا اپنی طرف ہلا کہ تجھ پر تازہ بتازہ کھجوریں گرائے گی- اس خدائی بشارت پر آپ نے عوام اور امراء کو اس دینی خدمت سے وابستہ کرنے کے لئے تحریک و تحریص کا حق ادا کردیا- چنانچہ بہت سے احباب نے حضورؑ کی آواز پر لبیک کہا-

حضور علیہ السلام اپریل ۱۸۷۹ء تک براہین احمدیہ تصنیف فرماچکے تھے اور مسودات کا حجم دو اڑھائی ہزار صفحات تک پہنچ گیا تھا- جب حضورؑ ایک مسودہ تحریر فرماتے تو اس کو صاف لکھنے کیلئے میاں شمس الدین صاحب آف قادیان کو دے دیتے اور یہ صاف کاپی منشی امام الدین صاحب کاتب امرتسری کو دے دی جاتی جو امرتسر سے قادیان آکر حضورؑ کی زیر نگرانی کام کرتے تھے- نظر ثانی اور تصحیح فرمانے کے بعد حضورؑ خود پریس میں پہنچانے کے لئے امرتسر تشریف لے جاتے اور پروف پڑھنے کے لئے بعض اوقات حکیم محمد شریف صاحب کلانوری کے ہاں قیام فرماتے- اس دوران لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت بھی ہمراہ ہوتے تھے- کبھی لالہ ملاوامل کو ہی کاپیاں دے کر بھجوا دیا جاتا- حصہ چہارم کی طباعت کے زمانہ میں پروف وغیرہ بذریعہ ڈاک بھی بھجوائے جاتے رہے-

حضرت اقدسؑ کی خواہش تھی کہ کتاب کی کتابت و طباعت نہایت اعلیٰ درجہ کی ہو- چنانچہ آپؑ نے کتاب کو پادری رجب علی کے مطبع سفیر ہند امرتسر سے چھپوانے کا فیصلہ فرمایا- پادری صاحب نے اجرت زیادہ وصول کی اور کتاب کی طباعت میں غیر معمولی تاخیر کی- بہرحال کتاب کا حصہ اول شیخ نور احمد صاحب کی زیر نگرانی چھپا جو فن طباعت میں ماہر تھے اور جنہیں پادری صاحب نے مراد آباد سے خاص طور پر بلایا تھا- اس کے بعد شیخ صاحب نے اپنا مطبع ریاض ہند قائم کرلیا تو پادری صاحب نے کتاب کا حصہ دوم و سوم کچھ اجرت پر شیخ صاحب کو دیدیا- چنانچہ یہ حصے طبع تو "ریاض ہند" میں ہوئے لیکن ان پر نام "سفیر ہند" ہی درج کیا گیا- اسی دوران پادری صاحب کے بار بار تنگ کرنے کی وجہ سے حضورؑ خود رقم لے کر پادری صاحب کو ملنے امرتسر تشریف لے گئے اور غلطی سے شیخ صاحب کے پریس میں جا پہنچے جہاں حضورؑ کی کتب زیر طبع تھیں- حضرت شیخ صاحب کو اطلاع ملی تو وہ حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے- حضور اُن سے واقف نہ تھے چنانچہ پوچھا کیا یہ پریس رجب علی صاحب کا ہے؟ شیخ صاحب نے عرض کیا کہ آپ ہی کا ہے- پھر حضورؑ کے دریافت فرمانے پر شیخ صاحب نے ساری صورتحال عرض کی تو حضورؑ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ آئندہ طباعت کا سارا کام "ریاض ہند" میں ہی کیا جائے- حضرت شیخ صاحب نے نہایت مسرت سے حضورؑ کی ساری شرائط کو قبول کرتے ہوئے آمادگی ظاہر کی اور بعد میں رجب علی سے نصف خرچ یا اس سے بھی کم پر کتاب چھاپ دی-

براہین احمدیہ کے پہلے دو حصے ۱۸۸۰ء میں چھپے اور تیسرا حصہ ۱۸۸۲ء اور چوتھا ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا- چوتھے حصہ کے آخر پر حضورؑ نے یہ اطلاع شائع کی کہ "ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی پھر بعد اس کے ...... ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی- سو اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت رب العالمین ہے"- چنانچہ الٰہی منشاء کے تحت

۲۳ برس تک براہین احمدیہ معرض التواء میں رہی اور آخر ۱۹۰۵ء میں اس کا پانچواں اور آخری حصہ تصنیف ہو کر اکتوبر ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔

"براہین احمدیہ" ہی وہ تصنیف تھی جو حضرت شیخ نور احمد صاحبؓ کی ہدایت کا باعث بنی۔ آپؓ کا نام حضرت اقدسؑ کے صحابہ ۳۱۳ کی فہرست میں ۵۹ نمبر پر درج ہے۔ کتاب "آئینہ کمالات اسلام" کی طباعت کے وقت آپؓ حضور علیہ السلام کے ارشاد پر اپنا پریس قادیان لے آئے جسے گول کمرہ میں نصب کیا گیا۔ آپؓ کو حضرت مسیح موعودؑ کی مہمان نوازی کا بھی شرف حاصل رہا اور دسمبر ۱۸۹۳ء میں جب حضورؑ امرتسر سے لاہور تشریف لائے تو آپؓ ہی کے ہاں فروکش ہوئے۔ آپؓ نے "نور احمد" کے نام سے اپنا ایک رسالہ بھی جاری فرمایا۔ ۸؍جون ۱۹۲۸ء کو ۸۹ سال کی عمر میں وفات پائی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہوئے۔

مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب کے قلم سے یہ تاریخی مضمون ماہنامہ "انصاراللہ" کی خصوصی اشاعت میں شامل ہے۔

۔......☆......☆......☆......۔

"براہین احمدیہ" کے مالی معاونین

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے خدائی بشارت کے تحت جب "براہین احمدیہ" کی اشاعت کے لئے تحریک فرمائی تو ان میں نواب شاہجہان بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال بھی تھیں جو ۱۸۶۸ء میں باضابطہ طور پر سریر آرائے سلطنت ہوئیں اور آپ کا عقد ثانی مولوی صدیق حسن خان صاحب کے ساتھ عمل میں آیا جنہیں بعد میں اعزازی خطاب "نواب" دیا گیا۔ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ جون ۱۹۰۱ء میں انتقال کر گئیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب قنوج کے رہنے والے ایک ذی علم انسان تھے۔ انہوں نے کتب خریدنے کا وعدہ کیا تھا لیکن جب حضور علیہ السلام نے انہیں کتب بھجوائیں تو انہوں نے یہ سوچ کر واپس بھجوا دیں کہ عیسائیت کی تردید میں لکھی گئی کتاب کی مدد کرنے سے حکومت ناراض ہو سکتی ہے۔ انہوں نے پیکٹ کھول کر پھر اس بُرے طریق پر بند کیا تھا کہ کتب پھٹ بھی گئی تھیں۔ چنانچہ جب یہ پیکٹ اور اُن کا خط حضورؑ کی خدمت میں واپس پہنچا تو حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ جو اُس وقت وہاں موجود تھے بیان کرتے ہیں کہ حضورؑ چہل قدمی فرما رہے تھے۔ آپؑ کا چہرہ متغیر اور غصہ سے سرخ ہو گیا۔ آپؑ خاموشی سے ٹہلتے رہے کہ اچانک آپؑ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "اچھا تم اپنی گورنمنٹ کو خوش کر لو"۔ چند ہی ماہ گزرے تھے کہ نواب صاحب پر ایک سیاسی مقدمہ قائم ہوا اور نوابی کا خطاب چھین لیا گیا اور نہایت خطرناک الزامات عائد کئے گئے۔ تب مصیبتوں کے پہاڑ دیکھ کر حافظ محمد یوسف صاحب نے حضرت اقدسؑ سے دعا کروانے کا مشورہ دیا۔ مولوی محمد حسین نے بھی سفارش کی۔ پہلے تو حضورؑ نے دعا کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ خدا کی رضا پر گورنمنٹ کی رضا کو مقدم کرنا چاہتے تھے، اب گورنمنٹ کو راضی کر لیں۔ لیکن پھر نواب صاحب کی طرف سے معذرت بھی کی گئی تو حضورؑ نے دعا کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ توبہ کریں خدا تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے، حکومت کے اخذ سے بچ جاویں گے۔ ...... پھر نواب صاحب نے براہین کی خریداری کی درخواست کی لیکن حضورؑ نے ردّ کر دی اور فرمایا کہ میں نے رحم کر کے ان کے لئے دعا کر دی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ اس عذاب سے بچ جائیں گے، میرا یہ فعل شفقت کا نتیجہ ہے لیکن ایسے شخص کو جس نے اس کتاب کو اس ذلت کے ساتھ واپس کیا میں اب کسی قیمت پر بھی کتاب دینا نہیں چاہتا یہ میری غیرت اور ایمان کے خلاف ہے۔ نیز فرمایا کہ ان لوگوں کو میں نے جو تحریک کی تھی وہ خدا تعالیٰ کے مخفی اشارہ کے ماتحت اور ان پر رحم کر کے تھی ورنہ میں نے ان لوگوں کو کبھی امیدگاہ نہیں بنایا، ہماری امیدگاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی کافی ہے۔ چنانچہ حضورؑ کی دعا قبول ہوئی اور نواب صاحب حکومت کے اخذ سے بچ گئے، نوابی کا خطاب بھی بحال ہو گیا لیکن موت نے ان کا خاتمہ کر دیا۔

"براہین احمدیہ" کے مالی معاونین میں نواب مرزا محمد علاؤالدین احمد خان صاحب بہادر فرمانروائے ریاست لوہارو بھی شامل تھے جو مرزا اسداللہ خان غالب کے سسرالی رشتہ داروں میں سے تھے، آپ نے ۳۱؍اکتوبر ۱۸۸۴ء کو وفات پائی۔

معاونین میں ایک نام مولوی چراغ علی کا تھا لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرت ﷺ کی عظمت کے پیش نظر چراغ کا لفظ کسی دوسرے کے لئے منسوب ہونا پسند نہ کیا اور نام میں محمد کا اضافہ کر دیا چنانچہ کتاب میں نام لکھا ہے 'مولوی محمد چراغ علی خان صاحب بہادر نائب معتمد مدارالمہام حیدر آباد دکن۔ مولوی صاحب ۱۸۴۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵؍جولائی ۱۸۹۵ء کو بمبئی میں انتقال کیا۔ آپ عربی، فارسی، انگریزی پر عبور رکھتے تھے اور لاطینی، یونانی، عبرانی اور کالڈی بھی جانتے تھے۔ مولوی عبدالحق المعروف بابائے اردو نے مولوی صاحب کی کتاب کے مقدمہ میں درج چند ادھورے خطوط سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ گویا حضرت اقدسؑ نے براہین احمدیہ کی تصنیف میں مولوی صاحب سے کوئی علمی مدد بھی لی تھی۔ فی الواقعہ مولوی صاحب نے مالی معاونت کی ہے جس کا ذکر حضورؑ نے بھی فرمایا ہے۔

مالی معاونین میں نواب نظیرالدولہ احمد علی خان صاحب بہادر بھوپال بھی تھے جن کا انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا۔ نیز نواب علی محمد خان صاحب بہادر لدھیانہ بھی تھے جو اوائل زمانہ میں ہی فوت ہو گئے لیکن حضورؑ کی قبولیت دعا کے بڑے معتقد تھے۔ آپ ریاست جھجر کے رئیس تھے۔ ریاست ضبط ہو چکی تھی اس لئے لدھیانہ میں رہائش رکھتے تھے۔ اسی طرح مرزا سعید الدین احمد خان صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر فیروزپور کا بھی نام حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے۔

حضرت خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب بہادر وزیراعظم دستور معظم ریاست پٹیالہ کا ذکر کرتے ہوئے حضورؑ نے فرمایا کہ اس کار خیر میں آج تک سب سے زیادہ انہی سے اعانت ظہور میں آئی ہے۔ اسی طرح کئی اور نام بھی حضورؑ نے درج فرمائے ہیں لیکن ایک نام جو درج نہیں فرمایا وہ حاجی ولی اللہ سیشن جج کپور تھلہ کا ہے جنہیں حضورؑ نے کتاب بھجوائی اور آپکی حضورؑ سے خط و کتابت بھی رہی۔ آپ جب رخصت پر اپنے وطن سراوہ ضلع میرٹھ گئے تو براہین احمدیہ ساتھ تھی جو آپ حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی سے سنا کرتے تھے۔ گو حاجی صاحب کی ارادت کسی پنہانی معصیت کی وجہ سے بعد میں شکوک میں بدل گئی لیکن حضرت منشی صاحبؓ اور دیگر سامعین کو حضورؑ سے ایسی عقیدت ہو گئی کہ کپورتھلہ میں براہین احمدیہ کا باقاعدہ درس حضرت منشی صاحبؓ نے شروع کر دیا اور اگرچہ حاجی صاحب تو تعلق منقطع کر بیٹھے لیکن ان کے کئی عزیز اور رشتہ دار حضورؑ کی غلامی میں آ گئے۔

کئی مالی معاونین کے بارے میں حضورؑ کو قبل از وقت خبر دے دی گئی جس کے دوسرے احباب بھی گواہ بنائے گئے۔ ان میں نواب اقبال الدولہ اقتدار الملک قیصر ہند سر وقارالامراء محمد فضل الدین خان، عبداللہ خان آف ڈیرہ اسماعیل خان اور محمد افضل خان صاحب بھی شامل تھے۔ ایک ہندو سردار عطر سنگھ صاحب رئیس اعظم لدھیانہ جنہیں تعلیم و تعلّم کی سرپرستی کے اعتراف میں ملاذالعلماء والفضلاء اور مہامد پادھیائے کا خطاب بھی دیا گیا تھا، مالی معاونین میں شامل تھے۔

مذکورہ بالا کے علاوہ بھی ایک لمبی فہرست ہے جن کا ذکر ماہنامہ "انصاراللہ" کی خصوصی اشاعت کے ایک مضمون میں مکرم عاصم جمالی صاحب نے کیا ہے۔

۔......☆......☆......☆......۔

اعتراف

"براہین احمدیہ" ہندوؤں اور عیسائیوں کی اس جارحانہ یلغار کے جواب میں لکھی گئی تھی جس سے اُس زمانہ کے مسلمان عاجز آ چکے تھے۔ لیکن اس نے جہاں برہمو سماج کی تحریک اور عیسائیت کے غلبہ کے دعوے کو زمیں بوس کر دیا وہاں مسلمانوں کے بدعقائد کی اصلاح کر کے ہر طبقہ فکر سے دادو تحسین بھی حاصل کی۔ اور حضرت اقدس علیہ السلام کی علمی اور روحانی فوقیت کا اعتراف مسلمانوں کے علاوہ غیروں نے بھی دل کھول کر کیا جس کی چند مثالیں مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب کے قلم سے ماہنامہ "انصاراللہ" کی اِس خصوصی اشاعت کی زینت ہیں۔

☆ نامور صحافی سید حبیب صاحب ایڈیٹر اخبار "سیاست" نے لکھا کہ عیسائیوں کے حملوں کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں میں سے سر سید اور ان کے بعد مرزا غلام احمد صاحب اس میدان میں اترے۔ سر سید کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ انہوں نے ہر معجزے سے انکار کیا اور ہر مسئلہ کو بزعم خود عقل انسانی کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی۔

مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ مرزا صاحب نے اس فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا اور مخالفینِ اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اسلام کے متعلق ان کے بعض مضامین لاجواب ہیں اور اگر وہ اپنی کامیابی سے متاثر ہو کر نبوت کا دعویٰ نہ کرتے تو ہم انہیں زمانہ حال میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خادم مانتے۔

☆ معروف صحافی عبداللہ ملک اپنی کتاب "پنجاب کی سیاسی تحریکیں" میں سر سید احمد خان اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے طریق کار کا فرق بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"سچ یہ ہے کہ اس دور میں جن لوگوں کو سر سید نے متاثر کیا، ساتھ ہی ان کو اپنی تعلیمات سے ایک گونہ آزردہ بھی کیا۔ ان ہی آزردہ دلوں کو بہت حد تک مرزا غلام احمد نے اپنے طور طریقوں سے سمیٹا۔ سر سید نے عقل کی بنیاد پر قرآنی آیات اور مذہبی تعلیمات وعبادات کی جتنی توجیہات اور تاویلات کی تھیں مرزا غلام احمد نے ان کے پرخچے اڑا دیئے۔"

☆ برہمو سماج لیڈر دیویندر ناتھ نے لکھا :

"برہمو سماج کی تحریک ایک زبردست طوفان کی طرح اٹھی اور آناً فاناً نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک میں بھی اس کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ بھارت میں نہ صرف ہندو اور سکھ اس سے متاثر ہوئے بلکہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ نے بھی اس میں شمولیت اختیار کر لی۔ روزانہ بیسیوں مسلمان برہمو سماج کے ساتھ نہ صرف ہمت تھے بلکہ اس کے باقاعدہ ممبر تھے۔ لیکن انہی دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے عالم تھے ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف کتابیں لکھیں اور ان کو مناظرے کے لئے چیلنج کیا...... جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ مسلمان جو کہ برہمو سماج کی تعلیم سے متاثر تھے نہ صرف پیچھے ہٹ گئے بلکہ باقاعدہ برہمو سماج میں داخل ہونے والے مسلمان بھی آہستہ آہستہ اسے چھوڑ گئے"۔

☆ مولوی ارشاد علی صاحب ناگپوری نے جو عیسائیت سے توبہ کر کے دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، پادری صفدر علی صاحب کو جوابی خط میں لکھا کہ پادری صفدر علی نے مجھے چیلنج دیا ہے کہ میں ان کے ساتھ اسلام اور عیسائیت کی صداقت پر بحث کروں۔ ...... کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اگر ان کو اپنے دلائل اور عیسائیت کی صداقت پر پورا اعتماد ہے تو پھر وہ اس وقت کہاں تھے جب کہ مولوی غلام احمد صاحب قادیانی نے میدان مناظرہ میں کھڑے ہو کر بہادر شیر کی طرح ان کو للکارا۔ اس چیلنج کا آپ لوگوں پر اس قدر اثر تھا کہ کسی پادری کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ آپ کے مقابل پر آتا۔

۔......☆......☆......☆......۔

نکاتِ معرفت

ماہنامہ "انصاراللہ" کی خصوصی اشاعتوں کا ایک سلسلہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے 'براہین احمدیہ' میں بیان کردہ بعض نکاتِ معرفت کا بیان ہے جو مکرم نصراللہ ناصر صاحب نے مرتب کئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک ذیل میں ہدیہ قارئین ہیں :

☆ "ہمیشہ توحید الٰہی صرف الہام ہی سے پھیلتی رہی ہے اور معرفت الٰہی کے طالبوں کے لئے قدیم سے یہی دروازہ کھلا ہے۔"

بقیہ صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ فرمائیں

Muslim Television Ahmadiyya

Programme Schedule for Transmission

31/07/98 - 13/08/98

Please Note that programme and timings may Change without prior notice. Details of Programmes are Announced After Every Six Hours. All times are given in British Standard Time. For more information please phone or Fax +44 181 874 8344

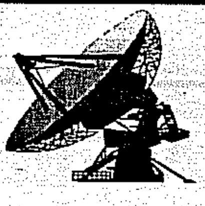

Friday 31st July 1998

00.05 Tilawat, Dars ul Hadith, News
00.40 Children Yassarnul Quran No. 5 (R)
01.00 Liqa Ma'al Arab (R)
02.00 History of Ahmadiyyat: Part No. 51
03.00 Urdu Class (R)
04.00 Learning Arabic: Part 2
04.20 Inspection of Jalsa Gah - 1998
04.45 Homeopathy Lesson No 146
06.00 Tilawat, Dars ul Hadith, News
06.30 Children's Yassarnal Quran No. 5
06.45 Pushto Items
07.20 Tabarrukaat: J/S 1974
08.15 Liqaa Ma'al Arab (R)
09.15 Urdu Class - (R)
10.20 Computers for Everyone, Part 70
11.00 Bengali Service
12.00 Announcements J/S 1998 LIVE
12.30 Islamabad Press Visit
13.00 Friday Sermon by Huzoor LIVE From Islamabad, Tilford
14.00 Hazur's Inspection and Inauguration of Jalsa Salana Duties Rec:26.07.98
15.30 Opening Address by Hazur
18.00 Studio Review of today's session
18.20 Memories of the past Jalsas
19.00 Repeat of Jalsa Salana Proceedings
23.00 Friday Sermon - By Hazur (R)

Saturday 1st August 1998

00.05 Tilawat, Dars Hadith, News
00.35 Children's Corner : Bait Bazee
01.00 Liqa Ma'al Arab with Hazur
02.00 Proceedings of Jalsa Salana 1998 (R)
06.05 Tilawat, Dars ul Hadith, News
06.20 Children's Corner: Bait Bazee
06.50 Friday Sermon (R)
08.00 Liqa Ma'al Arab
09.00 An evening with Obaidullah Aleem
09.50 LIVE Annoucements J/S 1998
10.00 Tilawat - First Morning Session
11.45 Address by Huzur: Ladies Jalsa Gah
13.30 Studio Review of today's session
13.50 Interview Lajna UK
14.10 Interview with Foreign Guests
15.00 Interview of Jalsa Organisers
16.00 Address By Hadhrat Khalifatul Masih IV, Jalsa Salana UK 1998
18.30 Memories of Past Jalsa
19.00 Repeats of Today's Session

Sunday 2nd August 1998

00.05 Tilawat, Dars Hadith, News
00.35 Children's Corner : Bait Bazee
01.00 Liqa Ma'al Arab with Hazur
02.00 Repeat of Saturdays Sessions
06.00 Announcements
06.05 Repeat of Jalsa Proceedings
09.50 LIVE Announcements
10.00 Morning Session of Jalsa Salana 1998
11.15 International Q/A session with Hazur
13.00 International Bai'at
13.30 Studio Review of morning Session
13.50 Live Interview - Lajna UK
14.10 Live Interviews - Foreign Guests
15.00 Live Interview - Organisers
16.00 Concluding Address of Hadhrat Khalifatul Masih IV - Jalsa Salana 98
18.20 Interviews of MTA Teams
19.00 Closing with Naseer Shah and Co!
20.00 Repeat of Todays session

Monday 3rd August 1998

00.05 Tilawat
00.15 Repeats of Interviews at J/S 1998
02.05 Concluding Address by Hazur (R)
04.35 Closing with Naseer Shah & Co (R)
06.00 Repeat of Sundays J/S Session
12.05 Tilawat, News
12.35 Learning Norwegian - Lesson 67
13.05 Indonesian Hour
14.10 Bengali Programme
15.10 Homeopathy Class 149 Rec.04.04.96
16.10 Liqa Ma'al Arab
17.20 Turkish Programme
18.00 Tilawat, Dars Malfoozat
18.25 Urdu Class (R)
19.25 German Service
20.25 Children's Class 98, Part 2 (Mulaqat)
21.00 Rohani Khazaine
22.00 Homoeopathy Class With Huzoor
22.55 Learning Norwegian, No. 67
23.25 Speech By M. A. Akhseer

Tuesday 4th August 1998

00.05 Tilawat, Dars ul Hadith, News
00.50 Children's Corner (R)
01.20 Liqaa Ma'al Arab (R)
02.20 MTA Sports: Football Final
03.15 Urdu Class: (R)
04.25 Learning Norwegian - No. 67
04.55 Homoeopathy Class With Huzoor
06.00 Tilawat, Dars ul Hadith, News
06.50 Children's Corner (R)
07.20 Pushto Programmes
08.30 Rohani Khazaine
09.25 Liqaa Ma'al Arab (R)
10.25 Urdu Class - (R)
11.25 Medical Facilities in Rabwah
12.05 Tilawat, News
12.35 Learning French: Lesson 14
13.05 Indonesian Hour: F/S of Huzur
14.10 Bengali Service
15.10 Tarjumatul Quran Class (New)
16.20 Liqa Ma'al Arab (R)
17.20 Norwegian Programme- Ski Festival
18.05 Tilawat, Dars ul Hadith
18.25 Urdu Class: (R)
19.25 German Service
20.25 Children's Yassarnul Quran No. 6
20.45 Childrens Corner:Waqfeen-e-Nau(4)
21.25 Hamari Kaenat
21.55 Tarjumatul Quran Class (New)
23.00 Visit to Bahawulpur 200
23.30 Learning French: Lesson 14

Wednesday 5th August 1998

00.05 Tilawat, History of Ahmadiyyat, News
00.45 Children's Yassarnul Quran No. 6
01.05 Childrens Corner:Waqfeen-e-Nau(4)
01.40 Liqaa Ma'al Arab, (R)
02.40 Medical Facilities in Rabwah (R)
03.10 Urdu Class: (R)
04.10 Learning French: Lesson No. 14
04.40 Tarjumatul Quran Class (New)
06.05 Tilawat, History of Ahmadiyyat, News
06.40 Children's Yassarnul Quran No. 6
07.00 Childrens Corner:Waqfeen-e-Nau(4)
07.30 Womens Position in Isalm (Swahili)
08.15 Hamari Kaenat
08.55 Liqaa Ma'al Arab, (R)
10.00 Urdu Class: (R)
11.00 MTA Variety: Masood A. Dehlvi Sb.
11.30 MTA Variety: Speech Laiq A. Aabid
12.05 Tilawat, News
12.35 Learning Turkish, Lesson No. 10
13.05 Indonesian Hour
14.05 Bengali Service: F/S by Huzoor
15.10 Tarjumatul Quran Class (New)
16.15 Liqaa Ma'al Arab, (R)
17.25 French Children's Class Part 9
18.05 Tilawat, History of Ahmadiyyat
18.25 Urdu Class, With Hazur (R)
19.25 German Service
20.25 Children's Corner No. 99, Part 1
21.00 MTA Life Style-Lajna Magazine P15
22.00 Tarjumatul Quran class (New)
23.10 Learning Turkish, Lesson No. 10
23.40 MTA Variety: Exhibition (Rabwah)

Thursday 6th August 1998

00.05 Tilawat, Dars Malfoozat, News
00.45 Children's Corner No. 99 Part 1 (R)
01.20 Liqa Ma'al Arab, (R)
02.20 Canadian Desk: Tech Talk, No. 13
03.00 Urdu Class, with Hazur (R)
04.00 Learning Turkish, Lesson No. 10
04.35 MTA Variety: Exhibition (Rabwah)
04.50 Tarjumatul Quran Class (New)
06.05 Tilawat, Dars Malfoozat, News
06.40 Children's Corner With Hazur No.99
07.10 Sindhi Programme: F/S with Huzoor
08.25 MTA Lifestyle: Lajna Magazine
08.50 Liqa Ma'al Arab: (R)
10.15 Urdu Class, (R)
11.20 History of Ahmadiyyat Part No. 52
12.05 Tilawat, News
12.30 Learning Arabic : No.3
12.50 Indonesian Hour
13.50 Bengali Q/A Session with Huzur
15.10 Homoeopathy Class with Huzoor
16.10 Liqa Ma'al Arab, (R)
17.15 Swedish Program
18.05 Tilawat, Dars Malfoozat
18.15 Urdu Class, (R)
19.30 German Service:
20.25 Children's Yassarnal Quran No. 7
20.45 Tabarrukat J/S 1975, Rabwah
21.45 Homoeopathy Class with Huzoor
22.50 Learning Arabic, Part 3

Friday 7th August 1998

00.05 Tilawat, Dars Hadith, News
00.45 Children's Yassarnul Quran Class 7
01.00 Children's Corner - Kudak No. 2
01.20 Liqaa Ma'al Arab with Hazur
02.20 History of Ahmadiyyat Part 52
03.00 Urdu Class - with Hazur
04.10 Learning Arabic Lesson No 3
04.30 Homeopathy Class with Hazur
05.30 Speech by Imam Sahib J/S UK 1998
06.00 Tilawat, Dars Hadith, News
06.45 Children's Yassarnul Quran No 7
07.00 Pushto Programme : Darsul Hadith
07.50 From the Archives (R)
08.45 Liqaa Ma'al Arab with Hazur (R)
09.45 Urdu Class with Hazur (R)
10.50 Computers for everyone No. 70
11.25 Bengali Service Q/A with Hazur
12.00 Tilawat, Dars Malfoozat, News
13.00 Friday Sermon LIVE from Fazl Mosque London (07.08.98)
14.05 Documentary :Antiques of Sindh No 3
14.40 Rencontre Avec Les Franophones
15.45 Liqaa Ma'al Arab With Hazur (New)
17.50 Friday Sermon Rec: 07.08.98 (R)
18.00 Tilawat, Darsul Hadith
18.30 Urdu Class (New)
19.40 German Service
20.45 Childrens Class 99 With Hazur
21.15 Medical Matters: "Pain & Shock"
21.45 Friday Sermon (R)
22.50 Rencontre Avec Les Francophones(R)

Saturday 8th August 1998

00.05 Tilawat, Darsul Hadith, News
00.35 Childrens Class 99 with Hazur (R)
01.10 Liqaa Ma'al Arab with Hazur (R)
02.10 Friday Sermon Rec 07.08.98 (R)
03.15 Urdu Class with Hazur (R)
04.20 Computers For Everyone No. 70
05.00 Rencontre Avec Les Francophones(R)
06.00 Tilawat, Darsul Hadith, News
06.50 Children's Class 99 Part 2 with Hazur
07.20 Saraiky Programmes
08.05 Medical Matters "Pain And Shock"
09.00 Liqaa Ma'al Arab with Hazur (R)
10.00 Urdu Class with Hazur (R)
11.10 Talk with Malik Salahuddin Sahib
12.00 Tilawat, News
12.35 Learning Danish Lesson No. 3
13.05 Indonesian Hour
14.05 Bengali Service
15.10 Children's Class with Hazur (New)
16.15 Liqa Ma'al Arab with Hazur
17.20 Al Tafseer-ul-Kabir No. 6
18.00 Tilawat, Darsul Hadith
18.35 Urdu Class With Hazur (New)
19.40 German Service
20.40 Children's Quiz Quran-e-Kareem P17
21.00 Q/A Session Part 2 with Hazur
22.05 Children's Class with Hazur (R)
23.15 Learning Danish : Lesson No. 3

Sunday 9th August 1998

00.05 Tilawat, Seerut-un-Nabi, News
00.50 Children's Quiz-Quran-e-Kareem P17
01.10 Liqaa Ma'al Arab With Hazur (New)
02.15 Canadian Horizons:Naseem Mehdi Sb
02.50 Urdu Class with Hazur (New)
04.00 Learning Danish Lesson No. 3
04.20 Speech by Majeeb-ul-Rehman Sb
04.55 Children's Class with Hazur (R)
06.00 Tilawat, Darsul Hadith, News
06.55 Children's Corner:Quran-e-Kareem(R)
07.10 Friday Sermon by Hazur Rec:07.08.98
08.30 Question & Answer Session with Hazur
09.45 Liqaa Ma'al Arab With Hazur (R)
10.50 Urdu Class with Hazur (R)
12.00 Tilawat, News
12.35 Learning Chinese: Lesson 91
13.05 Indonesian Hour
14.05 Bengali Service
15.05 Mulqat with Hazur & Guests
16.10 Liqaa Ma'al Arab with Hazur (New)
17.10 Albanian Prog: Q/A 01.06.95 Part 3
18.00 Tilawat, Seerut-un Nabi
18.30 Urdu Class With Hazur
19.35 German Service
20.40 Children's Workshop No. 10
21.15 Darsul Quran - No. 2
22.45 "Hua Main tera Fazlon Ka Munadi"
23.05 Learning Chinese : Lessson No. 91(R)
23.35 Documentary : S. Qamar Sulayman Sb

Monday 10th August 1998

00.05 Tilawat, Dars Malfoozat, News
00.35 Childrens Workshop Part 10
01.10 Liqaa Ma'al Arab with Hazur (R)
02.15 Speech By Rashid Savage: J/S 1998
02.35 "Hua Main Tera Fazlon Ka Munadi"
03.00 Urdu Class with Hazur (R)
04.05 Learning Chinese Lesson 91 (R)
04.50 Mulaqat with Hazur & Guests
06.05 Tilawat, Das Malfoozat, News
06.45 Childrens Workshop No. 10
07.25 Darsul Quran With Hazur 1998 No. 2
08.55 Liqaa Ma'al Arab With Hazur
10.00 Urdu Class With Hazur
11.05 MTA Sports: "Sports Rally"
11.25 MTA Variety: Yusaf Sohail Shouq Sahib
12.00 Tilawat, News
12.35 Learning Norwegian : Lesson No. 68
13.05 Indonesian Hour
14.00 Bengali Service
15.05 Homeopathy Class with Hazur No. 150
16.10 Liqaa Ma'al Arab with Hazur (R)
17.10 Turkish Programmmes
18.00 Tilawat, Dars Malfoozat
18.30 Urdu Class with Hazur
19.30 German Service
20.35 Islamic Teachings (Rohani Khazaine)
21.50 Homeopathy Class with Hazur (R)
22.55 Learning Norwegian: Lesson No. 68
23.25 Speech by Ch. Shabeer Ahmad Sahib

Tuesday 11th August 1998

00.05 Tilawat, Darsul Hadith, News
00.45 Hazur's Children's Class No.100 Part 1
01.15 Liqaa Ma'al Arab with Hazur
02.20 Rally Sports Khuddamul Ahamdiyya
02.40 Speech by Yousaf Suhail Shouq Sb
03.25 Urdu Class with Hazur (R)
04.25 Learning Norwegian: Lesson No. 68
04.55 Homeopathy Class with Hazur No 151
06.00 Tilawat, Darsul Hadith, News
06.45 Childrens Corner with Hazur (R)
07.15 Pushto Programmes F/S by Hazur
08.25 Rohani Khazaine Part 2
09.15 Liqaa Ma'al Arab with Hazur
10.20 Urdu Class with Hazur
11.20 Medical Matters Part 3 - Rabwah
12.00 Tilawat, News
12.20 Learning French, Lesson no 15
13.05 Indonesian Hour F/S by Hazur
14.00 MTA Bengali Service
15.00 Tarjumatul Quran Class with Hazur
16.10 Liqaa Ma'al Arab with Imam Sahib
17.10 Norwegian Prog: by Noor Ahmad Sb
18.00 Tilawat, Darsul Hadith
18.30 Urdu Class With Hazur
19.30 German Service
20.30 Children's Yassarnul Quran Class No.8
20.50 Children's Corner by Waqfeen-e-Nau
21.20 Around the Globe - Hamari Kaenat
21.55 Tarjumatul Quran With Hazur (New)
23.00 Learning French Lesson No. 15
23.35 MTA Variety : Industry Exhibition

Wednesday 12 August 1998

00.05 Tilawat, History of Ahmadiyyat, News
00.45 Children's Yassarnul Quran Class No.8
01.10 Children's Corner (R)
01.35 Liqaa Ma'al Arab With Imam Sahib
02.35 Medical Facilities in Rabwah Part 3
03.05 Urdu Class with Hazur
04.05 Learning French No. 14
04.35 Tarjumatul Quran Class with Hazur
06.00 Tilawat, History of Ahmadiyyat, News
06.50 Childrens Yassarnul Quran Class No.8
07.10 Children's Corners- Waqfeen-e-Nau
07.35 Swahili Programme
08.10 Hamari Kaenat
08.40 Liqaa Ma'al Arab with Hazur
09.45 Urdu Class with Hazur
12.00 Tilawat, News
12.35 Learning Turkish Lesson No. 11
13.10 Indonesian Hour
14.05 MTA Bengali Service
15.05 Tarjumatul Quran Class (New)
16.10 Liqa Ma'al Arab with Imam Sahib
17.10 French Programme
18.00 Tilawat, History of Ahmadiyyat
18.30 Urdu Class with Hazur
19.30 German Service
20.35 Children's Class with Hazur No.100
21.05 MTA Entertainment - Mushairah
22.00 Tarjumatul Quran Class
23.05 Learning Turkish Lesson No. 11

Thursday 13 August 1998

00.05 Tilawat, Dars Malfoozat, News
00.50 Children's Corner With Hazur
01.20 Liqaa Ma'al Arab with Hazur
02.20 Canadian Desk - Teck Talk No.14
03.10 Urdu Class With Hazur
04.10 Learning Turkish Lesson 10
04.50 Tarjumatul Quran Class with Hazur
06.00 Tilawat, Dars Malfoozat, News
06.50 Childrens Corner: Mulaqat with Hazur
07.20 Friday Sermon in Sindhi by Hazur
08.30 MTA Entertainment : Mushairah
09.30 Liqaa Ma'al Arab With Hazur
10.30 Urdu Class with Hazur
11.30 History of Ahmadiyyat Part 53
12.00 Tilawat, MTA News
12.40 Learning Arabic
12.55 Indonesian Hour
14.05 MTA Bengali Service

Al Fazl International Weekly, London

16 GRESSENHALL ROAD, LONDON SW18 5QL (U.K.)

ISSN: 1352 9587
Tel: (0181) 870 8517
Fax: (0181) 870 1095

Vol. 5 | Friday, August 31, 1998 | No. 31-32

حاصل مطالعہ

(دوست محمد شاہد۔ مؤرخ احمدیت)

عاقبت نااندیش مفتیوں کا فتویٰ ہجرت اور اس کے ہولناک اثرات

۱۹۲۰ء میں گاندھی اور نہرو کے پرستار کانگرسی مفتیوں نے تحریک ہجرت کا آغاز مہاتما گاندھی اور دوسرے ہندو لیڈروں کے اشارہ پر کیا اور کمال بے حجابی اور ڈھٹائی سے یہانتک کہہ ڈالا کہ :

"ہندوؤں نے اور مہاتما گاندھی نے مسلمانوں پر جو احسان کئے ہیں ان کا عوض ہم دے نہیں سکتے ہمارے پاس زر نہیں۔ جب جان چاہیں ہم حاضر ہیں"۔

("تقاریر مولانا ظفر علی خان" صفحہ ۶۴)

اس شرمناک صورت حال کو دیکھ کر رسول عربیؐ کے بے مثال عاشق اور ملت اسلامیہ کی کشتی کے آسمانی راہنما حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "ترک موالات اور اسلام" میں کھلے الفاظ میں انتباہ کیا کہ مسٹر گاندھی کو زمام قیادت سونپنا آنحضرت ﷺ کی گستاخی ہے۔ نیز پیشگوئی فرمائی :

"اگر باز نہ آئے تو اس جرم میں مسٹر گاندھی کی قوم کی غلامی اس سے زیادہ تم کو کرنی پڑے گی جتنی کہ حضرت مسیح کی امت کی غلامی تم کہتے ہو کہ ہمیں کرنی پڑی ہے"۔

("ترک موالات اور اسلام" صفحہ ۸۵، ۸۶۔ طبع اول قادیان، اشاعت ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۰ء)

افسوس سادہ لوح عامۃ المسلمین گاندھی کے چیلوں اور ہندو کانگرس کے ایجنٹ ملاؤں کے جھانسے میں آگئے۔ اور فتویٰ ہجرت کو وحی ربانی جان کر قبول کر لیا جس کے نتیجہ میں ہزاروں لاکھ مسلمان تباہ و برباد ہوگئے اور ہندو کی شاطرانہ سیاست نے انہیں تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا۔ چنانچہ پروفیسر محمد اسلم صاحب ایم اے سابق صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی نے ماہنامہ "تہذیب الاخلاق" نومبر ۱۹۹۷ء، صفحہ ۳۲، ۳۳ میں ہندوؤں کے آلہ کار "مذہبی لیڈروں" کے "فتویٰ ہجرت" کے ہولناک اثرات اور تباہ کن نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"جب تحریک خلافت عروج پر تھی تو چند عاقبت نااندیش مفتیوں نے بشمول مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ داغ دیا۔ ان مفتیوں نے کہا کہ ہندوستان اب دارالحرب بن گیا ہے۔ لہذا مسلمانوں پر یہاں سے ہجرت فرض ہو گئی ہے۔ ان مفتیوں نے مسلمانوں کو قریبی مسلم ملک افغانستان جانے کا مشورہ دیا۔

ہندوؤں کی مذہبی جماعتیں، ہندو مہاسبھا اور آریہ سماج تو پہلے ہی ہندو، ہندی اور ہندوستان کا نعرہ لگا رہی تھیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ مسلمان باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں۔ انہوں نے اگر یہاں رہنا ہے تو وہ ہندو بن کر رہیں یا ہندوستان چھوڑ دیں۔ ہمارے عاقبت نااندیش مفتیوں نے جوش میں آکر فتویٰ داغ دیا جس سے مسلمانوں کی بجائے ہندوؤں کو فائدہ پہنچا۔

ہجرت کا فتویٰ صادر ہوتے ہی مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں اونے پونے داموں ہندوؤں کے ہاتھوں فروخت کر کے افغانستان کی راہ لی۔ افغانستان ایک پس ماندہ اور غریب ملک تھا۔ وہ اتنی بڑی تعداد میں مہاجرین کی کفالت نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں ان مہاجرین کی بڑی تعداد ناخواندہ تھی جو افغانستان جا کر اس ملک کی ترقی میں ممد و معاون نہیں بن سکتی تھی۔ ان حالات میں افغانستان نے اپنی سرحد بند کر دی۔ غریب مہاجرین جو اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول ہندوؤں کے ہاتھ فروخت کر کے گئے تھے ان کی پونجی جانے آنے میں صرف ہو گئی اور جب وہ واپس اپنے اوطان کو لوٹے تو وہ نان شبینہ کے لئے محتاج ہو چکے تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے ہجرت کی تھی۔

میرے ایک علم دوست بزرگ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ امرتسر میں دو تین ایسے بازار بھی تھے جہاں صرف ہندوؤں اور سکھوں کی ہی دکانیں تھیں۔ ان بازاروں میں مسجدیں بھی تھیں جن پر قفل پڑے ہوئے تھے۔ ایک روز حکیم صاحب نے اپنے والد محترم حکیم فقیر محمد چشتی مرحوم (م ۱۹۵۲ء) کی خدمت میں عرض کیا کہ ہندوؤں اور سکھوں کے بازاروں میں مسجدیں بنانے میں کیا حکمت تھی جبکہ وہاں نماز نہیں ہوتی اور مسجدیں مقفل پڑی ہیں۔ اس پر چشتی صاحب نے فرمایا کہ پہلے ان بازاروں میں مسلمانوں کی دوکانیں تھیں اور یہ مساجد آباد تھیں۔ تحریک ہجرت کے دوران وہ مسلمان دکاندار اپنی دکانیں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں فروخت کر کے افغانستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ تب سے یہ مسجدیں بے چراغ پڑی ہیں۔

ہجرت کا فتویٰ سوچے سمجھے بغیر بڑی عجلت میں دیا گیا جس سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچا۔ یہ عجیب بات ہے کہ فتوے صادر کرنے والے مفتیوں کے سرخیل مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۹۲۶ء) اور مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) نے خود ہجرت نہیں کی۔ جب لوگوں نے ان سے اس بارہ میں استفسار کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر وہ بھی ہجرت کر جاتے تو یہاں کے لوگوں کو ہجرت پر اور کون آمادہ کرتا۔ اس لئے ان کا یہاں رہنا ناگزیر تھا۔ سبحان اللہ کیا منطق ہے"۔

☆......☆......☆

واہ کینٹ (پاکستان) میں محمد ایوب اعظم صاحب کو شہید کر دیا گیا

انا للہ و انا الیہ راجعون

(پریس ڈیسک) : پاکستان سے یہ افسوسناک اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مورخہ ۷ر جولائی ۱۹۹۸ء کو شام ۹ بجے کے لگ بھگ واہ کینٹ میں مکرم محمد ایوب اعظم صاحب کو فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔ شہید مرحوم کی عمر ۶۲ سال تھی اور وہ آرڈیننس فیکٹری واہ کینٹ میں لمبا عرصہ ایک شعبہ کے اسسٹنٹ منیجر رہ کر ریٹائر ہوئے تھے۔ ان کی صحت ٹھیک نہ تھی۔ کئی ماہ سے صاحب فراش تھے اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ شام کے وقت گھر سے نکل کر قریبی دوکان تک آہستہ آہستہ چل کر جاتے تھے، یہی ان کی ورزش کا طریق تھا۔

وقوعہ کے روز وہ دوکان سے واپس آرہے تھے کہ گھر کے قریب تین افراد جو سڑک کے ایک طرف چھپے ہوئے تھے اچانک سامنے آگئے۔ ان میں سے ایک جو داڑھی والا تھا اس نے سوال کیا کہ کیا آپ کا نام ایوب اعظم ہے۔ شہید نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم احمدی ہو۔ شہید نے کہا الحمدللہ میں احمدی ہوں۔ اس کے بعد اس نے پوچھا کیا تم نذیر احمد کو جانتے ہو ساتھ ہی ان پر دو دفعہ فائر کیا۔ مرحوم کو گولیاں چھاتی میں لگیں اور وہ نیچے گر گئے اور گھسٹ کر اپنے مکان کی طرف بڑھنے لگے۔ حملہ آور موقع سے فرار ہو گئے۔

فائرنگ کی آواز سن کر ان کا بیٹا اور ایک ہمسایہ گھروں سے باہر نکلے۔ ایک احمدی دوست جو قریب ہی رہتے تھے اور جن کے پاس کار تھی انہیں فوراً بلایا گیا اور کار میں ڈال کر ہسپتال کی طرف رخ کیا مگر ہسپتال پہنچتے ہی آپ جام شہادت نوش کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے اہلیہ کے علاوہ ایک بیٹا اور تین بیٹیاں پیچھے چھوڑیں ہیں جن میں سے ایک بیٹی شادی شدہ ہے باقی بچے ابھی غیر شادی شدہ ہیں۔

ایک اور "رشدی" کا خروج

ماہنامہ "الخیر ملتان" کے ایڈیٹر محمد ازہر صاحب نے انکشاف کیا ہے کہ مصر میں ایک جدید "رشدی" کا خروج ہوا ہے جس کا نام ہے پروفیسر ڈاکٹر نصر حامد ابوزید، قاہرہ یونیورسٹی۔ انہوں نے اس شخص کی درج ذیل کتابوں سے ایک مضمون میں چند اقتباسات بھی نمونۃً نقل کئے ہیں :

۱۔مفهوم النص. دراسة فی علوم القرآن.

۲۔ الامام الشافعی و تاسیس الاید لوجیة الوسطیه.

۳۔نقد الخطاب الدینی.

۴۔سلطان النص فی مواجهة العقل .

جناب محمد ازہر صاحب لکھتے ہیں :

☆...... قرآن کریم کے بارہ میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے پروفیسر مذکور اپنی عقل پرستی کا اظہار یوں کرتا ہے :

"ان القرآن لایجمع هووالعقل ابداًفاذا وجد العقل الغی النص واذا وجد النص الغی العقل"۔

ترجمہ : قرآن اور عقل کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ جب عقل ہوگی تو نص باطل ہو جائے گی اور جہاں نص ہوگی وہاں عقل باطل ہو جائے گی۔

☆...... ایک اور مقام پر قرآن کریم کی عزت و حرمت کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا ہے :

"و انصح بنی قومی ان یسقطوا من نفوسهم قلسیة القرآن و ان یعملوا معه کای کلام عادی فان هذا الکتاب قد قد سناه الی حد اننا اصبحنا عبید الخرافات والاساطیر".

ترجمہ : اور میں اپنی قوم کے نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ قرآن کے تقدس کو اپنے دلوں سے نکال دیں اور اس کے ساتھ ایک عام کلام جیسا معاملہ کریں۔ ہم نے اس کو حد سے زیادہ مقدس بنا دیا ہے اور خرافات اور داستانوں کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

☆...... ایک اور مقام پر قرآن کریم کے ایک صریح حکم کو نہایت بے باکی کے ساتھ ظلم سے تعبیر کیا :

"ان الاسلام ظلم المرأة و جعلها ترث نصف الرجل"

ترجمہ : بے شک اسلام نے عورت پر ظلم کیا ہے اور اسے نصف مرد کا وارث بنایا ہے۔

☆...... قرآن کریم کی صریح نصوص و واقعات کی تکذیب کرتے ہوئے پروفیسر مذکور لکھتا ہے :

"انهم یدعون ان هناك ملائكة و قدحاربوا مع محمد فی بدر و غیرها فاین هم الان فی البوسنیة والشیشان".

ترجمہ : یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہاں فرشتے ہیں جو بدر اور دوسری جنگوں میں محمدؐ کے ساتھ ہو کر لڑے تھے تو اب

باقی صفحہ نمبر ۲۷ پر ملاحظہ فرمائیں

معاند احمدیت، شریر اور فتنہ پرور مفسد ملاؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خصوصیت سے حسب ذیل دعا بکثرت پڑھیں

اَللّٰهُمَّ مَزِّقْهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ وَ سَحِّقْهُمْ تَسْحِيقاً

اے اللہ انہیں پارہ پارہ کر دے، انہیں پیس کر رکھ دے اور ان کی خاک اڑا دے۔